نیک بنو نیکی پھیلاؤ سیریز

(۱) روشن چراغ	10/-	(۸) ہانڈی مل گئی	10/-
(۲) علم کی حد (واقعہ حضرت خضرؑ)	10/-	(۹) لالا اور کا کال	10/-
(۳) لکڑی کی گڑیا	15/-	(۱۰) پھول ہی پھول (نظمیں)	25/-
(۴) سفید گڑیا	20/-	(۱۱) ہماری نظمیں	15/-
(۵) شرارتیں ہی شرارتیں	10/-	(۱۲) شیطان سے انٹرویو	10/-
(۶) اچھا بچہ کون؟	20/-	(۱۳) دو آنسو	25/-
(۷) انمول	40/-	(۱۴) ہائے میں کیا کروں؟	10/-

البدر بک سینٹر، سرائے میر اعظم گڑھ Mob. 09839591434

’’اس شخص سے بہتر کس کی بات ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں۔‘‘ (قرآن)

سہ روزہ دعوت
نئی دہلی

www.dawatonline.com

سنہری کرنیں

(عبدالمالک مجاہد)

عورت کی شخصیت کے ایسے تمام پہلو جن میں اس کی ذہانت، شجاعت، تقویٰ، پرہیزگاری اور بہادری ظاہر ہوتی ہو، اس کتاب کی زینت ہیں، جن کے مطالعے سے نہ صرف تمام خواتین اور بچیوں میں بہتری کا ایک نیا ولولہ اور جذبہ پیدا ہوگا بلکہ مطالعہ کرنے والے مردوں کو بھی اس بات کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا کہ شجاعت، ذہانت اور صبر وتحمل کی صفات کس طرح بھرپور انداز میں عورتوں میں بھی موجود رہتی ہیں۔ صفحات : 360 ☆ قیمت /-Rs.150

Maktaba Al-Faheem مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن
1st Floor Raihan Market Dhobia Imli Road Sadar Chowk Maunath Bhanjan (U.P.) 275101
Ph: 0547-2222013 (S) Mob 9889123129/9236761326

● جلد: ۵۷ ● شمارہ: ۴۵ ● ۱۶/مئی ۲۰۰۹ء ● 16 May 2009 ● شنبہ ● ۲۰/جمادی الاولیٰ ۱۴۳۰ھ ● قیمت Rs.5/= ● سعودی عرب اور دیگر خلیجی ملکوں کیلئے ۲ ریال ● Posting: 14 May 2009 Thursday

فلاحی مملکت ایسی مہم سے نہیں بنائی جاسکتی

سید عبدالباسط انور، سکریٹری جماعت اسلامی ہند

ہندوستان جیسی دنیا کی بڑی جمہوریت میں اس انتخابی مہم میں کسی بھی پارٹی یا رہنما نے عوامی مسائل کو Focus کرنے کی کوشش نہیں کی۔ پارٹیوں کے انتخابی منشور تو جاری ہوئے جن میں کہیں کہیں کچھ سنجیدہ باتیں نظر آتی ہیں۔ لیکن میدان میں جس طرح سے ایک دوسرے کو نیچا کرنے، مدمقابل کے کردار کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی اور ایک دوسرے کے خلاف انتہائی عامیانہ زبان استعمال کی گئی وہ ہندوستانی سماج پر ایک بدنما داغ بن کر ابھر رہی ہیں۔ اس کو ہمارے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے جس طرح نمایاں کیا اور ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کی اس سے دنیا کے سامنے ہندوستانی سماج کی تصویر ایک غیر تہذیب یافتہ قوم کی طرح ابھری ہوگی۔ اس کا ایک سبب سیاسی پارٹیوں اور ان کے رہنماؤں کی جانب سے سنجیدگی اور دیانتداری سے مسائل کا جائزہ نہ لینا ہے۔ اس انتخاب میں تقریباً ۴۷ فیصد نوجوان پہلی دفعہ اپنے ووٹ کے استعمال کے حقدار بنے تھے۔ ان کی صلاحیتوں کے بہتر استعمال کے لئے اس موقع کو استعمال کیا جاسکتا تھا، جو کہ نہیں کیا گیا۔ دوسرا اہم سبب یہ رہا کہ ہر ایک کے سامنے اس کے اپنے ذاتی مفادات تھے جو دیگر ساری چیزوں پر حاوی رہے۔ ساری توجہ اس بات پر مرکوز رہی کہ کس طرح ٹکٹ حاصل کیا جائے اور مختلف ناجائز طریقوں سے ووٹ بینک خریدا جائے۔ جب کسی بھی پارٹی یا سیاسی رہنما کے سامنے سیاسی اقدار Political Etiquatte نہ ہوں تو کوئی شخص اپنے مخالف کو کمزور کرنے اور نیچے گرانے میں اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ خود اسے بھی اندازہ نہیں ہوپاتا کہ وہ کس پستی میں پہنچ گیا ہے۔ سیاسی شعور رکھنے والوں کے لئے ایک بڑا سوالیہ نشان ہے کہ اس طرح کا رویہ ہندوستانی سیاسی ڈھانچے کو کس زوال تک پہنچا دے گا۔ بنیادی ایشوز سے کنارہ کشی کرتے ہوئے رائے دہندگان کو اپنی جانب متوجہ کرنا ممکن نہیں۔ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا نے پولنگ کے دن پولنگ بوتھ پر آنے والوں کی جو تصویریں شائع کی ہیں ان میں اکثر، بہت ہی ضعیف اور لاچار افراد کی رہی ہیں۔ نوجوانوں کو اس Process میں اپنا حصہ ادا کرتے ہوئے بہت کم Highlight کیا گیا۔ گویا یہ اس بات کی علامت ہے کہ پولنگ بوتھ پر پہنچنا، نوجوانوں کا نہیں بلکہ ضعیف اور بیمار افراد کا کام ہے۔ صرف ضابطے بنا لینے یا موجودہ ضوابط کو اور مزید سخت کردینے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا۔ جب تک ضابطہ اخلاق کو نافذ کرنے والی قوت وطاقت کارگر نہ ہو۔ سارے ملک سے نہ جانے کتنی شکایتیں اور عرضیاں الیکشن کمیشن کو پہنچی ہوں گی اور الیکشن کمیشن نے اپنے طور پر کئی نوٹس جاری کئے ہیں۔ ان شکایات کو حل کرنے اور غور کرنے کا موقع بھی کمیشن کو نہیں ہوگا اور جو کچھ وہ کرسکتا تھا اس کے لئے اس کو جتنی قوت نافذ کرنے کی ضرورت تھی وہ اس کے پاس نہیں تھی۔ اگر الیکشن کمیشن اسی طرح کا ضابطہ اخلاق بنائے لیکن اس پر عمل نہ ہوسکے تو آئندہ امکان ہے کہ الیکشن کمیشن کا مقام و وقار بھی سوالیہ نشان بن سکتا ہے۔ ملک کو ایک فلاحی مملکت بنانے کے لئے بہت سے ایشوز جیسے سماجی مساوات تعلیم، غربت و بھکمری، معاشی طور پر خود کفالت وغیرہ کو موضوع بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن ہمارے رہنماؤں اور سیاسی پارٹیوں کا عام طور پر رول ہوتا ہے کہ اپنے مفادات کے حصول کے لئے ساری چیزوں کو بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ ذاتی اغراض، باہمی رقابتوں کی افزائش، دھونس دھاندلی، دل بدلی یہ وہ بنیادیں رہ گئی ہیں جن پر آج سیاست چل رہی ہے۔ عوام کو بیدار کرنے کی کوشش کی جائے، تقریباً پچاس فیصد آبادی تو ایسی ہے جو الیکشن کے ان ہنگاموں سے اپنے آپ کو دور رکھتی ہے اور پولنگ بوتھ جانے کی زحمت بھی برداشت نہیں کرتی۔ نوجوانوں میں شعور بیدار کیا جائے کہ وہ اس ملک کا مستقبل ہیں۔ ایک فلاحی مملکت دیکھنے کا خواب دیکھتے دیکھتے نہ جانے کتنے لوگ ابدی نیند سوگئے۔ نوجوان ان کے خوابوں کی تعبیر بن سکتے ہیں۔ ملکی سطح پر این جی اوز شعور کو بیدار کرنے کا کام کریں۔ ووٹرس فورم تشکیل دیئے جائیں اور ایسے امیدوار جو اخلاقی ضوابط کی پابندی نہیں کرتے ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ مسلم سیاسی پارٹیوں کی انتخابی مہم کا گہرائی سے جائزہ لینے کا موقع نہیں ملا، بہرحال مسلم سیاسی پارٹیوں کی انتخابی مہم کا معیار دیگر سیاسی پارٹیوں کے لئے مثال بن سکتا ہے۔ (سوالات پر مبنی)

الیکشن کمیشن کو مزید طاقتور و مؤثر بنانے کی ضرورت ہے

الیاس ملک، کنوینر نیشنل رابطہ فورم، نئی دہلی

بنیادی طور پر لوک سبھا اور اسمبلی انتخابات کے الیکشن ایشوز میں کافی فرق ہے۔ اسمبلی الیکشن میں مقامی ایشوز ہوتے ہیں اور لوک سبھا کے انتخابات میں نیشنل ایشوز زیر بحث ہوتے ہیں۔ لیکن اس بار لوک سبھا کے انتخاب میں کوئی ایسا مستقل ایشو زیر بحث نہیں آسکا کہ جس کی بنیاد پر ووٹ مانگا جائے۔ ملک میں اس وقت دو بڑی پارٹیاں کانگریس اور بی جے پی ہیں۔ دونوں ایک ایک الائنس کی قیادت کررہی ہیں۔ اس الیکشن میں حزب اختلاف الائنس بی جے پی کا این ڈی اے رہا ہے۔ چونکہ بی جے پی کے پاس کوئی تعمیری ایشو بھی نہیں رہا محض جذباتی ایشوز ہی پر اس نے ہمیشہ ووٹ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے جس سے اب ملک کے عوام نالاں ہوچکے ہیں۔ اس لئے وہ کوئی ایسا ایشو عوام کے سامنے نہیں لاسکی جو لوگوں کو متوجہ کرتا پھر یہ کہ الیکشن کو لے کر عوام میں اب بیداری بھی دیکھنے کو ملی ہے۔ اب ترقیاتی کاموں کی بنیاد پر ووٹ ڈالے جانے لگے ہیں۔ جب عوام کے سامنے کوئی مستقل ایشو پیش کرنے میں اپوزیشن ناکام رہا تو ذاتی تنقیدوں کا دور شروع ہوا۔ لوگ ایک دوسرے پر تنقید کرنے لگے۔ اس سے نہ صرف الیکشن پر منفی اثر مرتب ہوا ہے بلکہ ملک کی شبیہ کو بھی نقصان پہنچا ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا الیکشن ہو اور اس میں عوامی مسائل کو ایشوز نہ بنا کر شخصیات کو نشانہ بنایا جائے اور سیاسی لیڈر ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالیں۔ ملک کے سیاسی لیڈران کی ذمہ داری ہے کہ ملک کے بارے میں اور عوام کے بارے میں سنجیدگی سے غور کریں کہ ان کا یہ غیر ذمہ دارانہ عمل ملک کو کس سمت لے جائے گا۔ ایسے قوانین وضابطے وضع کئے جائیں تاکہ سیاست میں اصلاح ممکن ہو۔ یہ انتہائی تشویشناک بات ہے کہ ملک میں اخلاقی قدروں میں گراوٹ تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ آج ہم میں کتنی گراوٹ ہوئی ہے بلکہ اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسلوں کو کیا دے رہے ہیں۔ ہمارے آباء واجداد جنھوں نے اس ملک کو آزاد کرایا تھا ان کے سامنے ہندوستان کے بارے میں کیا وژن (Vision) تھا ہم اس کو آگے بڑھانے میں کس قدر کامیاب ہوئے ہیں۔ اس وقت اس بات کی ضرورت ہے کہ یہاں بسنے والے تمام مسلمان اسلامی اخلاقی قدروں پر عمل کرتے ہوئے اخلاق کا ایسا نمونہ پیش کریں کہ ملک کے باشندوں کے سامنے ایک مثال بنے۔ اسلام کا مقصد ہی تھا دنیا سے ظلمت مٹانا اور روشنی پھیلانا۔ ہمارے علماء اور دانشور اس کا عملی نمونہ پیش کریں گے تو اس سے بڑا فائدہ ہوگا۔ جس طرح الیکشن کمیشن نے فرقہ پرستی کے بیانات کا نوٹس لیا ہے وہ یقیناً بہت ہی اچھا قدم ہے۔ لیکن اس کو کارگر اور مؤثر بنانے کی ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کو اگر مزید اختیارات دیئے جائیں اور ہدایت کے علاوہ وہ کارروائی کرنے کے بھی براہ راست اختیارات حاصل ہوں تو حالت میں مزید بہتری آئے گی۔ اس الیکشن میں یہ جو کچھ ہوا یعنی ایک دوسرے پر الزام تراشیاں ہوئیں اس پر میڈیا کے ذریعے عوام کا ردعمل ظاہر ہونا چاہئے تاکہ ان لوگوں کو اس بات کا احساس ہو کہ عوام نے ان کی اس حرکت کو ناپسند کیا ہے تاکہ آئندہ اس پر قابو پایا جاسکے۔ (گفتگو پر مبنی)

الیکشن عوام کے لئے مگر عوامی مسائل پر کوئی توجہ نہیں

سوامی اگنی ویش معروف آریہ سماج لیڈر، نئی دہلی

مجھے یہ دیکھ کر بے حد تکلیف ہے کہ جس ملک میں غربت، بیروزگاری اور عدم مساوات سنگین صورت اختیار کرگیا ہو اس ملک کے لیڈروں کو الیکشن میں ایشوز ہی نہیں نظر آرہے ہیں اور افسوس کی بات ہے کہ میڈیا بھی ان بنیادی مسائل پر بحث کرنے سے جی چراتا نظر آرہا ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ایسے سیاسی لیڈر جن کے پاس ملک اور اس میں بسنے والے عوام کی فلاح و بہبود کے لئے کوئی پالیسی پروگرام نہیں ہے ان کا بائیکاٹ کیا جائے۔ لیکن میڈیا ان کا بائیکاٹ کرنے کی بجائے ان کی ذاتی تنقیدوں اور جھگڑوں کو دکھاتا ہے۔ اس الیکشن کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ دس ہزار کروڑ روپے خرچ ہوں گے اور تقریباً ۷۲ کروڑ رائے دہندگان ووٹ ڈالیں گے۔ لیکن الیکشن سے جو تبدیلی آنی چاہئے وہ دکھائی نہیں پڑ رہی ہے کیونکہ اصل ایشوز فاقہ کشی، بیروزگاری اور بدعنوانی پر کوئی گفتگو کرنے کو تیار نہیں ہے۔ میرے خیال میں دنیا میں دہشت گردی سے بڑا مسئلہ بھوک ہے۔ ہر سال ہزاروں جانیں بھوک سے جاتی ہیں لیکن اس پر کوئی بات نہیں ہوتی، صرف ہندوستان میں ہی روزانہ سات ہزار بچے بھوک سے دم توڑ دیتے ہیں، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ یہ الیکشن ایشو نہیں بنتا۔

مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ ملک کے عوام کے ساتھ بڑی ناانصافی ہورہی ہے۔ عوام کی طاقت ریت کے ذروں کے مانند بکھری ہوئی ہے۔ اگر یہ مل کر اینٹ کی شکل اختیار کرلے تو تبدیلی آسکتی ہے۔ اس بات پر تو کافی زور دیا جاتا ہے کہ ووٹ ڈالنا آپ کا حق ہے اس کا استعمال ضرور کریں لیکن کوئی یہ بتانے والا نہیں ہے کہ کن ایشوز پر ووٹ ڈالیں۔ ملک میں اخلاقی قدروں میں تیزی سے گراوٹ آرہی ہے اور بڑھتی ہوئی بے حیائی اور بدعنوانی کے لئے سبھی مذہبی ادارے اور ان کے لیڈر ذمہ دار ہیں۔ ان کو بے حد سنجیدگی سے سوچنا چاہئے۔ ہم نے مذہب کو عبادتگاہوں تک ہی محدود کردیا ہے جبکہ مذہب کا تعلق سماج کے تمام مسائل کے حل کے لئے ہونا چاہئے۔ ہماری نظر سماجی مسائل پر بہت گہری ہونی چاہئے۔ زندگی کے تمام شعبوں میں مذہب کی تعلیمات کی روشنی میں رہنمائی حاصل کرنی چاہئے۔

مجھے لگ رہا ہے کہ ہم خود کو مذہبی لیڈر کہنے والے لوگ اپنی ذمے داری ٹھیک ڈھنگ سے نہیں نبھا رہے ہیں جس کی وجہ سے دنیا میں ہر طرف مسائل بڑھ رہے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل ہم نے کل مذہبی تنظیم تشکیل دی ہے جس کا مقصد عام انسانوں کے مشترکہ مسائل کے حل کے لئے کوشش کرنا ہے۔ اگر ہم سب مل کر اس بات کی کوشش کریں کہ ملک کے ہر باشندے کو ساتھ جوڑنا ہے، جو بگاڑ پھیلانے والے ہیں ان کو خبردار کرنا ہے تو اس طرح کی مشترکہ کوشش سے تصویر بدل سکتی ہے۔ ہم خود کرنے کی بجائے ان ہی سیاسی لوگوں سے امید کریں کہ حالت کی بہتری کے لئے کام کریں گے جن کے کرتوتوں کی وجہ سے ہی ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی فضا خراب ہوئی ہے، یہ ناقابل فہم ہے۔

رہی بات الیکشن کمیشن کی تو وہ اپنے اختیارات کے تحت جتنا ممکن ہوسکتا ہے آزادانہ اور منصفانہ انتخاب کرانے میں کامیاب ہوتا ہے۔ لیکن وہ کچھ دن کے لئے ہی محدود ہوتا ہے۔ گزشتہ دنوں کالا دھن موضوع بحث بنا رہا کہ اس کو ملک میں واپس لایا جائے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ملک میں ہی کالے دھن کا کاروبار بڑے پیمانے پر ہر خاص وعام کے علم میں ہوتا ہے لیکن اس پر کوئی بات نہیں ہوتی۔ میڈیا رپورٹوں کے مطابق زمینوں کی خرید وفروخت میں صرف دہلی میں ایک سال میں گیارہ ہزار کروڑ روپے کا ٹرن اوور ہوتا ہے۔

اسی طرح ممبئی میں پچیس ہزار کروڑ اور پورے ملک سے تقریباً ایک لاکھ کروڑ اسٹامپ ڈیوٹی میں چوری کی وجہ سے ہے اور یہ لین دین سب کے علم میں ہے۔ ہونا یہ چاہئے کہ اسٹامپ ڈیوٹی کم کردی جائے تاکہ لوگ پوری ڈیوٹی دے کر کام کریں۔ اسی طرح حکومت نے اور بھی بہت سے غیر ضروری ٹیکس لگا رکھے ہیں۔ شراب ہمارے سماج میں خرابی کی سب سے بڑی جڑ ہے۔ لوگوں کی صحت کے ساتھ ساتھ اخلاق و کردار بھی خراب ہوتا ہے۔ جرائم میں اضافہ ہوتا ہے۔ آئین میں دفعہ ۴۷ کے تحت کہا گیا ہے کہ یہ اسٹیٹ کی ذمے داری ہے کہ وہ شراب پر پابندی عائد کرے لیکن ۱۹۵۰ء سے لے کر اب تک اس پر کتنا عمل ہوا۔

اگر ہم سب مل کر صرف اسی ایک بات کو مضبوطی کے ساتھ اٹھائیں کہ ملک میں شراب کی خرید وفروخت پر مکمل پابندی ہو تو بڑا کام ہوگا۔ سبھی مذاہب میں اس کی مذمت کی گئی ہے اور قرآن کریم میں تو اس کو ام الخبائث کہا گیا ہے۔ اس کے خاتمے سے سماج میں بہتری آئے گی۔ اس الیکشن میں ایسے لوگوں کی جیت کے امکانات روشن نظر آتے ہیں جنھوں نے ترقی پر توجہ دی ہے۔ دوسری اہم بات کہ الیکشن کے دوران ہنگامہ آرائی بہت کم ہوئی ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ روپے کم خرچ ہوئے ہیں بلکہ پہلے سے زیادہ ہوئے ہیں، صرف اس کی شکل بدلی ہے پہلے جھنڈا، بینر اور پوسٹر پر روپے خرچ ہوتے تھے اب ٹیلیویژن اور اخبارات میں اشتہارات پر خرچ ہورہا ہے۔ البتہ ایک بات ضرور ہوئی ہے کہ پہلے اس کا فائدہ عام کاروباریوں کو ہوتا تھا، اب کارپوریٹ سیکٹر کا مکمل قبضہ ہے۔ یعنی ایک طرح سے ایک بڑا طبقہ جسے کچھ دنوں کے لئے روزگار مل جاتا تھا اب محروم ہوگیا ہے۔ میرا ماننا ہے کہ اگر ملک کو ترقی یافتہ دیکھنا ہے اور عوام کی خوشحالی مقصود ہے تو تمام سرکاری اہلکاروں کو اس بات کے لئے مجبور کیا جائے کہ وہ تعلیم، صحت اور دیگر معاملات میں سرکاری سہولتوں کا ہی استعمال کریں۔ ایسا کرنے سے ان اداروں کی کارکردگی خود بخود بہتر ہوگی، کیونکہ جب سرکاری افسر کا بیٹا سرکاری اسکول میں تعلیم حاصل کرے گا تو وہی سرکاری افسر اسکول کے معیار اور اس کی ضرورتوں پر توجہ دے گا۔ ورنہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تمام تر شکایتوں کے باوجود ان اداروں کی حالت میں کوئی بہتری دیکھنے کو نہیں ملتی ہے۔ اس سے اسکولوں کی حالت سدھرے گی، ہسپتالوں کی خدمات بہتر ہوں گی اور بدعنوانی پر بھی بآسانی قابو پایا جاسکے گا۔ ایسا کرنے سے حکومت کا نظام بہتر ہوگا اور عوام کو بہتر سہولت میسر ہوسکے گی۔

(گفتگو: اشرف بستوی)

موضوع سخن

انتخابی مہم کا گرتا ہوا معیار

انتخابات میں بدزبانی اور لڑائی جھگڑا بالعموم نچلی سطح کے انتخابات کے مواقع پر دیکھا جاتا ہے۔ الیکشن کی سطح جتنی نچلی (گاؤں کی پنچایت) ہوتی ہے، ذاتی دشمنیوں اور گالم گلوچ کی صورتحال اتنی ہی بدتر ہوتی ہے۔ پھر جیسے جیسے یہ سطح اونچی ہوتی ہے، انتخابی مہم کا معیار بھی بہتر ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ لوک سبھا کے انتخابات میں یہ خرابی کم سے کم رہ جاتی ہے۔ لیکن اس بار پندرہویں لوک سبھا کے انتخابات میں یہ روایت ٹوٹ گئی۔ علاقائی پارٹیوں کے ساتھ ساتھ ملک گیر سطح کی پارٹیوں کے افراد بھی حریف پارٹیوں اور لیڈروں کے خلاف گھٹیا زبان کا استعمال کرتے ہوئے سنے گئے۔ بڑی پارٹیوں کے بڑے لیڈروں کو ایک دوسرے کے خلاف وہ لہجہ استعمال کرتے ہوئے سنا گیا جو اب تک صرف ذات برادری کی بنیاد پر قائم پارٹیوں یا دولت اور قوت کے سہارے لیڈری کرنے والے افراد کا حصہ تھا۔ کہا جارہا ہے کہ اس بار یہ صورت اس لئے پیدا ہوئی کہ لوک سبھا کے الیکشن میں پارٹیوں کے پاس کوئی بڑا اور واضح مسئلہ نہیں تھا۔ کانگریس اور اس کی حلیف پارٹیاں اپنی پنچ سالہ کارکردگی کی دہائی دے رہی تھیں، جبکہ بی جے پی اور اس کی حلیف پارٹیاں حکومت کو ہر شعبے میں ناکام بتا رہی تھیں۔ گزشتہ چار ماہ کے دوران بی جے پی نے کئی تجربات کئے، کئی نعرے لگائے لیکن پذیرائی کسی نعرے کی نہیں ہوئی — انتخابات میں کوئی بڑا مسئلہ نہ ہونے کی یہ بات جزوی طور پر درست ہے۔ لیکن انتخابی مہم کے گھٹیا پن کے لئے صرف یہی چیز ذمہ دار نہیں ہے۔ بلکہ اصل اور بنیادی سبب اس صورتحال کا یہ ہے کہ موجودہ سیاسی نظام ایک بے خدا نظام ہے جس میں بلند اخلاق اور اعلیٰ انسانی قدروں کا کوئی گزر نہیں۔ یہ نظام دولت، طاقت اور متعدد اقسام کی عصبیتوں کے سہارے چلتا ہے۔ ضرورت اس نظام کی اصلاح کی ہے۔ جو لوگ اس صورتحال سے نالاں ہیں، انہیں اس کے بنیادی اسباب پر غور کرکے اس کا حل ڈھونڈنا ہوگا۔ اصلاح کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ خود اس نظام کا حصہ بن کر اندر سے سدھار کی کوششیں کی جائیں۔ بے کردار امیدواروں کے مقابلے پر باکردار افراد لائے جائیں اور عوام کو موقع دیا جائے کہ وہ خود فیصلہ کرلیں کہ ان کی خدمت کون سے امیدوار بہتر طریقے سے کرسکتے ہیں۔ اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس نظام سے باہر رہ کر ہر سطح پر عوام وخواص کی تربیت کی جائے۔ ملک کے سامنے ایک متبادل نظام پیش کیا جائے جو اعلیٰ اخلاقی قدروں اور یوم حساب کے تصور کا تابع ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ دوسرا طریقہ انتہائی صبر آزما ہے لیکن پہلے طریقے کے خاطر خواہ نتائج کے حصول کے لئے بھی عوام کی تربیت ضروری ہے جو خاصی محنت و مشقت کا کام ہے۔ جائزے کے اس شمارے کے شرکاء نے صورتحال پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان سے بھی حالات بہتر بنانے کی کوششوں کی ضرورت سامنے آتی ہے۔ اور سوچنے سمجھنے کی راہیں کھلتی ہیں — ایڈیٹر

امیدوار ضروری نہیں، پالیسی پروگرام پر فیصلہ ہو

پروفیسر اختر الواسع، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

یہ بات درست ہے کہ اس لوک سبھا انتخابات میں ایشوز کہیں کھوگئے ہیں۔ اس کے لئے صرف سیاسی جماعتیں ہی نہیں بلکہ عوام بھی بڑی حد تک ذمے دار ہیں۔ وہ کس قدر سیاسی شعور کے مالک ہیں کس قدر منظم ہیں اور اپنی آنے والی نسلوں کے مستقبل کے بارے میں کس قدر حساس ہیں یہ دیکھنے کی بات ہے۔ جمہوریت میں جس طرح کے رائے دہندگان ہوتے ہیں ویسے ہی اس کے نمائندے بھی ہوتے ہیں۔ ایک مسئلہ تو یہ ہے۔ لیکن میں اس بات سے پوری طرح متفق نہیں ہوں کہ تمام سیاسی لیڈر ایک دوسرے پر ذاتی تنقید کررہے ہیں۔ اگر ہم دیکھیں تو وزیراعظم ڈاکٹر منموہن سنگھ سونیا گاندھی اور لیفٹ کے لیڈروں نے کافی حد تک احتیاط سے کام لیا ہے۔ دوسروں کی جانب سے کئے گئے اعتراضات کے جواب دیئے ہیں لیکن کہیں اخلاق کا دامن نہیں چھوڑا ہے۔ ڈاکٹر منموہن سنگھ کو گزشتہ ساڑھے چار سال سے نشانہ بنایا جاتا رہا انہیں کمزور وزیراعظم کہا جاتا رہا۔ ہر طرف سے ان پر دشنام طرازیاں کی گئیں تو آخر ہر ایک آدمی کے صبر کی انتہا ہوتی ہے۔ ایک ایسے شخص کو جو ہندوستان میں کھلے بازار کی معیشت کا اور جدید اقتصادی پالیسی کا بانی کہا جاتا ہے، اگر ان پر دہشت گردی کے معاملے پر نرمی برتنے کا الزام لگائیں گے تو وہ پلٹ کر قندھار معاملے کو اجاگر کرے گا ہی۔

یو پی اے کے دور حکومت میں کم از کم گجرات جیسا کوئی فساد نہیں ہوا یہ سرکار کی بڑی کامیابی رہی۔

اس کے علاوہ ملک میں بسنے والے غریب خاندانوں کے لئے سال میں سو دن کام ملنے کو یقینی بنایا گیا۔ عمل میں کوتاہیاں ہوسکتی ہیں اس سے انکار نہیں لیکن کل ملا کر گزشتہ این ڈی اے حکومت کے مقابلے یہ بہتر حکومت رہی۔ گزشتہ ساٹھ برس میں ملک کا مسلمان جو حاشیے پر پہنچا دیا گیا تھا ایک بار پھر سب کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ یہ الگ بحث ہے کہ کس سرکار کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے مسلمانوں کی اس ملک میں یہ حالت ہوئی۔

> یو پی اے کے دور حکومت میں کم از کم گجرات جیسا کوئی فساد نہیں ہوا یہ سرکار کی بڑی کامیابی رہی اس کے علاوہ ملک میں بسنے والے غریب خاندانوں کے لئے سال میں سو دن کام ملنے کو یقینی بنایا گیا۔ عمل میں کوتاہیاں ہوسکتی ہیں اس سے انکار نہیں لیکن کل ملا کر گزشتہ این ڈی اے حکومت کے مقابلے یہ بہتر حکومت رہی۔ گزشتہ ساٹھ برس میں ملک کا مسلمان جو حاشیے پر پہنچا دیا گیا تھا ایک بار پھر سب کی توجہ کا مرکز بن گیا۔ یہ الگ بحث ہے کہ کس سرکار کی ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے مسلمانوں کی اس ملک میں یہ حالت ہوئی۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ کانگریس نے اپنی غلطیوں سے سبق حاصل کرتے ہوئے ملک میں اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے لئے کئی کاموں کی شروعات کی ہے۔ دوسری اہم بات یہ کہ اس ملک کی تاریخ میں گزشتہ ساٹھ برس کے عرصے میں جو غیر معمولی بات ہوئی وہ یہ کہ سچر کمیٹی کی رپورٹ کو عام کیا گیا جبکہ گوپال سنگھ پینل کی رپورٹ عام نہیں ہوسکی۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے اقدامات ہیں جو یو پی اے سرکار نے ملک کے باشندوں کی فلاح و بہبود کے لئے کئے ہیں۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی ہو یا جامعہ ملیہ اسلامیہ، ان کے اقلیتی کردار کا معاملہ ابھی تک معرض التوا میں ہے ابھی تک کوئی واضح بات نہیں ہوسکی ہے لیکن ان اداروں کو جو مالی امداد حاصل ہوئی ہے گزشتہ پانچ برس میں اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ میری نظر میں جو کچھ ہندوستان کے حق میں بہتر ہے وہی مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے۔ ہندوستان اور مسلمانوں کا مفاد الگ الگ نہیں ہے۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ملک کا مسلمان اگر تعلیمی اور معاشی اعتبار سے پسماندہ رہ جائے گا تو ۲۰۲۰ء تک ہندوستان کا اس خطے میں ایک بڑی طاقت کے طور پر ابھرنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکے گا۔ ملک میں جو بھی سرکار ہو اسے مسلمانوں کو ملک کی ترقی میں حصے دار بنانے کی حکمت عملی وضع کرنی ہوگی۔ مسلم نوجوان اس ملک کی تعمیر میں اپنی شرکت چاہتے ہیں وہ مواقع انہیں فراہم کئے جائیں۔ جب ملک میں مثبت بنیادوں پر سیاست ہوگی اور طویل مدتی منصوبے کے بجائے وقتی چیزوں پر توجہ مرکوز ہوگی تو ایسی سرکاریں زیادہ دن تک باقی نہیں رہ سکیں گی۔ بی جے پی کی بدنصیبی یہ ہے کہ اس نے اپنا سیاسی سفر ’’جے شری رام‘‘ کے نعرے سے شروع کیا تھا لیکن شملہ میں ہماچل پردیش کی حکومت سازی کے لئے اس نے اپنے سفر کو ’’جے شری سکھ رام‘‘ پر ختم کردیا۔

ایک ایسا شخص جس کی بدعنوانی کو لے کر بی جے پی نے ایک ماہ تک پارلیمنٹ نہیں چلنے دی، پھر اسی نے حقیر سیاسی مقاصد حاصل کرنے کیلئے اور فوری کامیابی کے حصول کی خاطر اس سے ہاتھ ملالیا۔ بی جے پی نے جے بھارت ماتا سے سفر شروع کیا اور جے للتا پر ختم کردیا۔ جس عورت کے وارڈ روم میں ملی ساڑیوں اور جوتوں کا آپ حساب مانگتے پھر رہے تھے، آپ کیا ہیں؟ بی جے پی نے بابری مسجد کو منہدم کرکے اس کے ملبے سے اپنے راج محل کی تعمیر کی اور رتھ یاترا کے ذریعے ملک میں وہ ماحول پیدا کیا جس کی وجہ سے عوام کا خون بہا اور اسی خون سے اپنا راج تلک کیا، لیکن بی جے پی کو ایک دفعہ اقتدار ملا تو ہر اس چیز سے جس کا وہ نعرہ بلند کررہی تھی دستبردار ہوگئی۔ پورے ملک کو بی جے پی کے لیڈروں نے جن سنگھ کے زمانے سے اب تک یہی بتایا تھا کہ بھارتیہ جن سنگھ کے بانی شیاما پرساد مکھرجی کی موت کا ذمے دار کشمیر کا شیخ عبداللہ خاندان ہے، لیکن حکومت سازی کے لئے اسی خاندان سے نہ صرف سمجھوتہ کیا بلکہ انہیں اپنی وزارت میں شریک کیا۔ رام مندر کی تعمیر اور یکساں سول کوڈ سے دستبردار ہوگئے۔ دفعہ ۳۷۰ کا ذکر وہ نہیں کرتی وغیرہ۔ اب تک ان ہی باتوں سے گمراہ کرکے اقتدار تک رسائی ہوسکی تھی۔ عوام نے بی جے پی کو دیکھ کر سمجھ لیا ہے کہ یہ جذباتی ایشوز تھے جن کے

باقی صفحہ ۸ پر

والدین سے بے رخی نئے زمانہ کا المیہ ہے

محمد نصیرالدین، حیدرآباد

والدین کسی بھی سماج اور معاشرہ کے سب سے محترم رکن ہوتے ہیں جو کہ نسل انسانی کے فروغ اور بقاء کا ذریعہ ہیں اور نئی نسل کی تعمیر وترقی میں اہم رول ادا کرتے ہیں۔ والدین وہ افراد ہیں جنہیں اپنی ذات سے زیادہ اپنی اولاد کی فکر لاحق ہوتی ہے۔ جب اولاد سے محروم رہتے ہیں تو فکر وتردد کا شکار رہتے ہیں اور اولاد کے لئے ہر طرح کی دوڑ دھوپ کرتے ہیں پھر جب اولاد سے سرفراز ہوتے ہیں تو اولاد کا آرام، صحت، اولاد کی نیند اولاد کا چین اور اولاد کی خوشی ہمیشہ انہیں بے چین رکھتی ہے۔ اسی طرح اولاد کی بیماری تکلیف پریشانی سے وہ غمزدہ اور فکرمند رہتے ہیں۔ اولاد کے لئے راتوں کی نیند قربان کرتے ہیں تو دن کا سکون وچین بھی ان کی خاطر بھول جاتے ہیں۔ گویا کہ اولاد کی خوشی ہی ان کی خوشی ہے اور اولاد کی تکلیف ان کے لئے تکلیف اور پریشانی کا باعث ہے۔

بچہ جب شیر خوار ہوتا ہے تو اس کی ضروریات کا خیال رکھنا، اس کی مسلسل نگرانی ونگہداشت کرنا بڑا کٹھن مرحلہ ہوتا ہے کیونکہ اس دور میں بچہ اپنی مصیبت تکلیف پریشانی یا ضرورت کو بھی بیان کرنے سے قاصر ہوتا ہے یہ والدین کی بڑی عجیب وغریب آزمائش ہوتی ہے وہ اندازوں اور مختلف اشاروں کی بنیاد پر بچے کا خیال رکھتے ہیں اور اس کی تمام ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسرا دور ابتدائی تعلیم کا دور ہوتا ہے جس میں والدین کو اپنے لخت جگر کی نگرانی کرنی پڑتی ہے کیونکہ ان کی ذرا سی غفلت سے بچے کو کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ وہ غلط ہاتھوں میں بھی پڑسکتا ہے اور اس طرح غلط عادات اور اطوار کا شکار ہوسکتا ہے۔ پھر جب بچہ بڑا ہوتا ہے تو ہائی اسکول کالج اور یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ میں وہ مسلسل فکرمند ہوتے ہیں۔ ان دنوں بچوں کی مناسب تعلیم کے ساتھ ان کی مناسب تربیت کی ذمہ داری بھی والدین کے کاندھوں پر ہوتی ہے۔ والدین کی ذرا سی غفلت سے بچے ہاتھ سے نکل سکتے ہیں اور اپنے اعمال وافعال سے خود والدین کی بدنامی کا بھی باعث بن سکتے ہیں۔ والدین کی مناسب توجہ سے بچے معیاری تعلیم سے ہمکنار ہونے کے علاوہ کردار وعمل کی پاکیزگی سے بھی ہمکنار ہوسکتے ہیں۔ تعلیم مکمل ہونے کے بعد معاش اور ملازمت کی فکر والدین کو دامن گیر ہوتی ہے بعد ازاں ان کی شادی کی فکر ہوتی ہے اور والدین اپنے بچوں کی ضروریات کی تکمیل اور دیگر مسائل حل کرنے کے لئے سرگرم رہتے ہیں۔

اپنی اولاد کے لئے والدین سب کچھ کرتے ہیں لیکن موجودہ دور کی یہ ایک کربناک حقیقت ہے کہ بچے جب کسی قابل ہوجاتے ہیں تو وہ اپنے ہی والدین کے لئے اذیت اور مصیبت کا باعث بن جاتے ہیں۔ جدید دور کا یہ ایک المیہ ہے کہ آج والدین کو اپنی ہی اولاد کے ہاتھوں طرح طرح کی اذیت اور نت نئے مسائل سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ آج کا نوجوان دنیا کی چمک دمک اور عیش وعشرت کا اس قدر اسیر ہوچکا ہے کہ وہ والدین کے احترام اور ان کے تئیں ذمہ داریوں سے غافل ہوچکا ہے۔

والدین کی موجودگی کو وہ آزادی میں مداخلت تصور کرنے لگا ہے۔ والدین کی موجودگی اُسے اپنی خواہشات کی تکمیل میں رکاوٹ محسوس ہونے لگی ہے اور والدین کا وجود اس کے معاش پر بوجھ محسوس ہونے لگا ہے حالانکہ اُس کا وجود اُس کی صلاحیتیں اُس کی اعلیٰ تعلیم، اس کی بیوی اور اس کی ملازمت بھی صرف اور صرف والدین کے مرہون منت ہوتی ہے مزید یہ کہ اکثر وہ ابھی بھی والدین کے گھر جائداد اور اسباب سے مستفید ہوتا رہتا ہے لیکن والدین اسے برداشت نہیں اس لئے کبھی وہ الگ ہونے کی دھمکی دیتا ہے تو کبھی خاموش رہنے کا حکم صادر کرتا ہے، نادان یہ بھی نہیں سوچتا کہ وہ بھی ایک دن بوڑھا ہونے والا ہے ایک دن اُسے بھی ضعیفی گلے لگائے گی اور وہ بھی اپنے بچوں کے رحم وکرم کا شکار ہونے والا ہے۔ جن والدین نے اپنے بچوں کی خاطر اپنی خوشیوں، ارمانوں، آرزوؤں اور خواہشوں کو پس پشت ڈال کر ان کی پرورش کی تھی اس امید میں کہ ان کی اولاد ان کے بڑھاپے کا سہارا بنے گی جب اُسی اولاد سے اس طرح کا سلوک انہیں ملتا ہے تو ان کی قلبی کیفیت کیا ہوتی ہوگی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ مغربی معاشرہ میں اس طرح کا سلوک عام بات ہے تبھی تو مغربی ممالک میں ''اولڈ ایج ہوم'' کا چلن عام ہے۔ مغربی ممالک نے جس طرح فطرت سے غداری کی اس کا انجام وہ دیکھ چکے ہیں لیکن ان کی تقلید میں مشرق کے باشندے اور افسوس کہ مسلم معاشرہ کے افراد بھی اسلامی نظام سے جس طرح دور ہوتے جارہے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں بھی ''اولڈ ایج ہوم'' پر زور دیا جانے لگا ہے۔ اولاد کی اپنے والدین کے تئیں بے رخی سارے سماج اور معاشرے کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔

اسلام نے ماں کے پیٹ سے ہی آنے والے بچوں کی تربیت کی تلقین کی ہے کہ ماں ہمیشہ پاک اور حلال روزی کا اہتمام کرے۔ اپنی غذا میں حرام لقموں سے پرہیز کرے، اپنے اعمال وافعال میں نیکی وپرہیزگاری کو اپنائیے۔ اپنے رب سے مضبوط تعلق پیدا کرے اور پھر نیک وصالح اولاد کی ہمیشہ دعا کرتی رہے۔ پیدائش کے بعد دونوں کانوں میں اللہ کی حمد وثنا اور کبریائی کا پیغام پہنچائے پھر اول روز ہی سے صحیح انداز میں بچوں کی تربیت کی کوشش کرے۔ بچہ بولنے لگے تو اللہ اور رسولؐ کی تعلیمات ذہن نشین کرے۔ ان کے احکام کے مطابق تربیت کرے۔ کلمے سکھائے، دعائیں اور چھوٹی چھوٹی سورتوں کو ازبر کرائے، بڑے ہونے لگیں تو نماز کی تلقین کرے، قرآن سکھائے، بڑوں کے احترام کا درس دے اور حتی المقدور فواحش ومنکرات سے دور رکھنے کی کوشش کرے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے کتنے والدین ہیں جو ان امور کا اہتمام کرتے ہیں؟ مشاہدہ بتلاتا ہے کہ بچہ جب پیٹ میں ہوتا ہے تو ماں آرام کے بہانے محض ٹی وی اور ویڈیو تک محدود ہوجاتی ہے۔ بچہ پیدا ہوتا ہے تو کام کرنے والیوں کے حوالے ہوجاتا ہے۔ بڑا ہونے لگتا ہے تو کارٹون نیٹ ورک اس کا ساتھی اور دوست بن جاتا ہے ساتھ ہی ناچ گانا اور قسم قسم کے سیریلس سے اس کا دل بہلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اسکول کا مرحلہ آتا ہے تو کانونٹ یا مشنری اسکولوں میں داخلہ کرادیا جاتا ہے، اعلیٰ تعلیم کے لئے مخلوط اداروں میں بھیج دیا جاتا ہے اور جب ملازمت کی باری آتی ہے تو حلال وحرام، جائز وناجائز کی تمیز کئے بغیر زیادہ سے زیادہ تنخواہ کی بنیاد پر ملازمت دلائی جاتی ہے اور جب شادی کا مرحلہ درپیش ہوتا ہے تو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات سے سراسر روگردانی کی جاتی ہے ہر ایک اپنی خواہش، مرضی اور آرزو کی ہر قیمت پر تکمیل چاہتا ہے چاہے اس کے لئے شریعت کے احکام کی کتنی ہی خلاف ورزی کیوں نہ ہو۔ ظاہر ہے اس انداز سے جب اولاد کی تربیت اور نشوونما ہوگی تو اس کے نتائج بھی اسی انداز سے برآمد ہوں گے۔

چنانچہ فی زمانہ والدین کا ادب واحترام الاماشاء اللہ محض Bank Balance یا جائداد پر قبضہ حاصل کرنے یا ان کے کاروبار کو ہتھیانے یا پھر وظیفہ حاصل کرنے تک محدود ہوگیا ہے۔ والدین پر ہاتھ اٹھانا تو کیا آج کی اولاد ان کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتی۔ بیرون ملک اپنے بیوی بچوں کے ساتھ مزے اڑاتی ہے اور یہاں کئی ایک امراض میں مبتلا والدین کو خالق کے رحم وکرم پر چھوڑ دیتی ہے۔ والدین ضعیفی میں جب موذی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں ان کو نگہداشت کی جب ضرورت ہوتی ہے انہیں زیادہ سے زیادہ نوکروں کے حوالے کرکے اولاد سمجھتی ہے کہ خدمت کا حق ادا ہوگیا۔ غور کریں تو پتہ چلے گا کہ اس صورتحال کے بڑی حد تک ذمہ دار خود والدین ہیں۔ جو بیج انہوں نے بویا تھا اسی کا کڑوا کسیلا پھل انہیں مل رہا ہے۔

نبی کریمؐ نے ایسی اولاد کو جو والدین کی خدمت سے جی چراتی ہے ہلاکت وبربادی کی وعید سنائی ہے۔ ایک مرتبہ صحابہؓ کی مجلس میں فرمایا وہ ہلاک ہوا، وہ ہلاک ہوا، وہ ہلاک ہوا۔ صحابہؓ نے پوچھا کون یا رسول اللہ! ارشاد فرمایا ''وہ جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور پھر (ان کی خدمت کرکے) جنت حاصل نہیں کی۔''

اسلام ایک فطری اور متوازن نظام حیات ہے جس کو خالق کائنات کی ہدایات کی روشنی میں ترتیب دیا گیا ہے۔ اسلام انسان کے گود سے گور تک کے مسائل کا حل پیش کرتا ہے اسلامی تعلیمات زندگی کے ہر شعبہ میں رحمت اور برکت کا باعث ہیں۔ کوئی گوشہ زندگی خالق کی رہنمائی سے خالی نہیں ہے۔ جہاں بچوں کی صحت مند نشوونما اور اچھی تعلیم وتربیت والدین کی ذمہ داری بتلائی گئی ہے وہیں بچوں کو تاکید کی گئی ہے کہ وہ ہر حال میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کریں اور خاص طور پر اس وقت جب وہ بڑھاپے کو پہنچ جائیں۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ''والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بوڑھے ہوکے رہیں تو انہیں اُف تک نہ کہو نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ ان کے ساتھ احترام کے ساتھ بات چیت کرو۔'' (بنی اسرائیل)

اسی طرح نبی کریمؐ نے ایسی اولاد کو جو والدین کی فرمانبردار اور اطاعت شعار ہوتی ہے خوشخبری دی ہے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز پڑھتا ہوں، روزہ رکھتا ہوں، زکوٰۃ دیتا ہوں مجھے کیا اجر ملے گا؟ آپ نے فرمایا ''تو قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا بشرطیکہ تو ماں باپ کا نافرمان نہ ہو۔'' (احمد)

والدین کی نافرمانی یقیناً موجودہ دور کا المیہ ہے لیکن خود والدین کو سوچنا چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کی کس طرح تربیت کر رہے ہیں؟ ظاہر ہے کسان اپنے کھیت میں چاول بو کر گیہوں کی فصل نہیں پاسکتا۔ اسی طرح والدین اپنی اولاد کی جس انداز میں تربیت کریں گے بڑھاپے میں وہ اسی سلوک کے مستحق ہوں گے۔ محض اولاد کی نافرمانی کا رونا روکر والدین اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے۔ بچوں کی دنیا بنانے میں وہ اس قدر منہمک ہوجاتے ہیں کہ ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کی فکر ہی نہیں کرتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بچے بڑے ہوکر دنیا کی لذتوں، آسائشوں اور عیش ومستی میں اس طرح مگن ہوجاتے ہیں کہ وہ والدین کو اپنی خوشیوں سے بھری زندگی کی رکاوٹ سمجھنے لگتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ والدین، اساتذہ اور معاشرہ کے سربرآوردہ اصحاب اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ کریں۔ اولاد کی لاپروائی کے شکار والدین کی مدد کریں۔ والدین کو اولاد کی صحیح تعلیم وتربیت کی طرف متوجہ کریں اور اولاد کو والدین کی اہمیت اور تقدس بتلائیں یہ کام ایسا ہے کہ وقتی طور پر کچھ کرلینے سے مسئلہ ختم نہیں ہوگا۔ مستقلاً اس سلسلہ میں احساس وشعور کی شمع جلانے کی ضرورت ہے۔

••

توبہ کی فضیلت واہمیت اور شرائط

حافظ عاکف سعید

توبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت خصوصی اور اُس کی شان غفاری کا مظہر ہے۔ ایک شخص جتنا بھی گناہ کرلے، اگر وہ سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اُسے معاف فرمادیتا ہے۔ اللہ اپنے گناہ کار بندے کو بھی مایوسی سے منع کرتا ہے۔ وہ اُسے راندہ درگاہ نہیں کرتا، بلکہ توبہ کے ذریعہ اُس کے لئے واپسی کا دروازہ ہر وقت کھلا رکھتا ہے۔ اس ضمن میں سورۃ الزمر کی آیت بہت امید افزا ہے۔ فرمایا:

''(اے پیغمبر میری طرف سے لوگوں سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ اللہ تو سب گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ (اور) وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (۵۳)

اس آیت کے بارے میں بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ اللہ کی رحمت کے حوالے سے قرآن مجید کی عظیم ترین آیت ہے۔ اس میں ہمارے لئے امید کا پیغام ہے۔ حد درجہ مایوس انسان بھی جب اس آیت کو پڑھتا ہے، تو اُس کے دل میں ایک امید جاگ اُٹھتی ہے۔ اُسے یقین ہوجاتا ہے کہ اگر میں سچی توبہ کرلوں تو اللہ میرے گناہوں کو معاف کردے گا، خواہ وہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں۔ جیسے ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ اگر بندۂ مومن کے گناہوں کا انبار احد پہاڑ جتنا بھی ہو تو سچی توبہ کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمادیتا ہے۔ اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اے نبی آپ اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، کہہ دیجئے کہ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اپنی جانوں پر ظلم سے مراد گناہ اور معصیت کا ارتکاب کرنا ہے۔ اس لئے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے وہ اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارتا ہے۔ کل اُسے اس گناہ کی سزا بھگتنا ہوگی۔ یہاں گناہوں میں پڑے ہوئے لوگوں کو امید دلائی جارہی ہے کہ وہ بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ وہ یقین رکھیں کہ اللہ غفور ورحیم ہے۔ وہ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ اللہ کی رحمت بے پایاں ہے۔ کوئی شخص بھی یہ نہ سمجھے کہ میرے گناہ تو بے شمار ہیں، میں گناہوں کی دلدل میں غرق ہوں، مجھے کیسے بخشا جائے گا، اور پھر یہ سوچ کر توبہ سے غافل نہ ہوجائے اور اپنے آپ کو حالات کے رحم وکرم پر نہ چھوڑ دے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے در توبہ کھلا رکھا ہے۔ وہ اپنے بندوں سے کہتا ہے کہ میرے بندو تم میری طرف آؤ اپنے گناہوں کی بخشش چاہو، تو خواہ کتنے ہی گنہگار کیوں نہ ہو، اپنے گناہوں کا اعتراف کرلو، مجھ سے معافی مانگو، سچی توبہ کرلو، میں تمہیں معاف کردوں گا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کس نے سچی توبہ کی ہے اور کس کی توبہ کے اندر کھوٹ اور ملاوٹ ہے وہ بظاہر تو توبہ کر رہا ہے، لیکن حقیقت میں توبہ نہیں کر رہا ہے، کیونکہ اُس کا گناہ چھوڑنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: ''ہمارا مالک اور رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات باقی رہ جاتی ہے، آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے، اور ارشاد فرماتا ہے، کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش چاہے، میں اس کو بخش دوں۔'' (متفق علیہ) اب اگر ہم ہی اللہ تعالیٰ کی جانب اپنا رُخ نہ کریں، اپنی مغفرت نہ چاہیں، اللہ کی طرف پلٹنے کو تیار نہ ہوں تو اس میں قصور ہمارا ہی ہے۔

اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمادے گا، لیکن اُس کے لئے ہم سے تقاضا کیا ہے۔ فرمایا: ''اور اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آواقع ہو، اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرو، اور اس کے فرمانبردار ہوجاؤ، پھر تم کو مدد نہیں ملے گی۔'' (الزمر: ۵۴)

توبہ کا اصل مفہوم ہی پلٹنا ہے۔ ہم اللہ کے بندے ہیں ہمارا اصل راستہ اور مقصد زندگی بندگی ہے، مگر ہم بندگی کے راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ ہم نے وہ کام شروع کردیئے ہیں جو ہمارے آقا کو ناپسند ہیں۔ ہم نے اللہ کے دشمنوں کے ساتھ دوستی گانٹھنی شروع کردی۔ اُن کی تہذیب، معاشرت اور نظام زندگی کو اپنالیا ہے۔ اور یوں راہ راست سے بھٹک گئے۔ توبہ یہ ہے کہ ہم اپنے اصل راستے پر واپس پلٹ آئیں، اللہ کی جانب متوجہ ہوں۔ وہ ہمیں معاف کردے گا۔ کل اختیار اُسی کا ہے۔ کوئی اُس کا ہاتھ نہیں روک سکتا کہ وہ کسی بڑے سے بڑے ظالم وفاسق شخص کو معاف کردے، بلکہ وہی تنہا معاف کرنے کا حق رکھتا ہے۔ کسی پوپ یا پادری کو یہ حق نہیں کہ جو شخص اس کے سامنے اعتراف کرے اُسے معافی کا سرٹیفکیٹ جاری کردے۔ گناہوں کی معافی کا اصل راستہ یہ ہے کہ اللہ کی جانب متوجہ ہوجاؤ، اُس کے سامنے سرتسلیم خم کردو۔ اُس کا ہر حکم سرآنکھوں پر ہو۔ یہ عہد کرو، اے اللہ جو گناہ مجھ سے ہوچکے ہیں، تو اُن پر مجھے معاف فرمادے، میں آئندہ اپنی زندگی تیری غلامی میں بسر کروں گا، ہر معاملے میں تیری ہی اطاعت کروں گا، چاہے یہ آسان لگے یا دنیاوی نقصان نظر آتا ہو۔ آپ طے کیجئے کہ میں اپنی بیوی بیٹیوں سے شرعی پردہ کی پابندی کراؤں گا۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ یہ چیز بہت مشکل ہے اور والدین، بہن بھائیوں اور رشتہ داروں کی ناراضی کا باعث ہوگی، لیکن مجھے تو یہ کام کرنا ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ کا حکم ہے۔ اسی طرح میں اپنی معیشت کو سود، جوئے رشوت اور غبن سے بچاؤں گا، خواہ اس میں مجھے کتنی ہی بڑی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔ اس لئے کہ حرام مال کھانے سے انسان کی دُعائیں بھی قبول نہیں ہوتیں۔ آگے فرمایا:

''اور اس سے پہلے کہ تم پر ناگہاں عذاب آجائے اور تم کو خبر بھی نہ ہو، اس نہایت اچھی (کتاب) کی جو تمہارے پروردگار کی طرف سے تم پر نازل ہوئی ہے، پیروی کرو۔''

تمہیں کن چیزوں کو اختیار کرنا ہے اور کن چیزوں سے بچنا ہے، یہ معلوم کرنے کا ذریعہ اللہ کی کتاب اور نبی کی سنت ہے، کتاب وسنت کی پیروی کرو۔ اُس کے مطابق زندگی گزارو۔ اللہ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول رحمت للعالمینؐ کے ذریعے ہدایت پوری طرح واضح فرمادی۔ اب تمہاری نجات اسی میں ہے کہ اس ہدایت کا اتباع کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آجائے اور تمہیں پتہ نہ چلے اور نہ سنبھلنے کا موقع ہی ملے۔

توبہ کی فضیلت کا اندازہ لگایئے۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اکرمؐ کو یہ فرماتے سنا کہ ''اللہ کی قسم میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں دن میں ستر مرتبہ سے بھی زائد توبہ استغفار کرتا ہوں۔'' غور کیجئے، اللہ کے حضور تو وہ ہستی ہیں جو معصوم عن الخطا ہیں، مگر پھر بھی بکثرت استغفار فرمایا کرتے تھے۔ ہم تو گناہوں میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ گڑگڑا کر، اپنے گناہوں پر معافی مانگیں، تاکہ اللہ ہم پر رحم فرمائے۔

توبہ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ حدیث رسولؐ کے مطابق تین اعمال ایسے ہیں جن سے انسان کے سابقہ تمام گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ پہلا عمل یہ ہے کہ ایک شخص کفر سے اسلام میں داخل ہوجائے۔ دوسرا عمل حج مبرور ہے اور تیسرا عمل سچی توبہ ہے۔ جس طرح اسلام میں داخل ہونے یا حج مبرور کے نتیجے میں انسان کے گزشتہ تمام گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اسی طرح سچی توبہ بھی گناہوں کی دھوڈالتی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ سیأت کو حسنات میں بدل دیتا ہے۔ لیکن یاد رہے کہ توبہ محض یہ نہیں کہ آدمی استغفار کا ورد کرتا رہے، اور گناہ بھی جاری رہے، سودی لین دین اور ناجائز کاروبار بھی چلتا رہے، اُس میں کوئی فرق نہ آئے، بلکہ اس کی کچھ شرائط ہیں جن کا پورا کیا جانا ضروری ہے، ورنہ توبہ صحیح معنوں میں توبہ نہ ہوگی۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے: ''مگر جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھے کام کئے۔''

(سورۂ فرقان: ۷۰)

توبہ کی پہلی شرط غلطی اور گناہ پر ندامت ہے۔ آدمی استغفار کرتا رہے، مگر اپنے بُرے عمل پر کوئی ندامت نہ ہو تو یہ کوئی توبہ نہیں ہے۔ حضرت آدمؑ سے خطا ہوئی تو وہ ندامت کے ساتھ اللہ کی جانب متوجہ ہوئے۔

''بولے وہ دونوں (حضرت آدم وحوا) اے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہوجائیں گے۔'' (الاعراف) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرمادیا۔ شیطان سے بھی گناہ ہوا، مگر اُس کے اندر گناہ پر ندامت پیدا نہ ہوئی، اُس نے تکبر کا مظاہرہ کیا، چنانچہ راندۂ درگاہ ہوا۔

توبہ کی دوسری شرط تجدید ایمان کے ساتھ اصلاح عمل ہے۔ آدمی یہ اعتراف کرتے ہوئے اللہ کی جانب رجوع کرے کہ اے اللہ! میں اپنے نفس کے ورغلانے سے بھٹک گیا۔ شیطان کے بہکاوے میں آگیا۔ تو ہی میرا رب ہے، تو ہی میرا خالق ومالک ہے، میں گناہ کو ترک کرکے تیری طرف پلٹ رہا ہوں۔ تو مجھے معاف فرما۔ احادیث میں استغفار کے لئے مختلف الفاظ آتے ہیں۔ سید الاستغفار کے الفاظ ہیں: ''پروردگار! تو ہی میرا رب ہے میں اقرار کرتا ہوں تو تیرے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا ہی بندہ ہوں۔'' توبہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ آئندہ کے لئے گناہ کو چھوڑنے کا عزم مصمم ہو۔ انسان کا یہ پختہ ارادہ ہو کہ میں آئندہ گناہ نہیں کروں گا۔ ہاں! اس کے باوجود اگر پھر گناہ ہوجائے تو یہ دوسری بات ہے۔ ایسی صورت میں پھر توبہ کرنا ہوگا۔

توبہ اگر کسی ایسے معاملے کی ہو جس میں بندوں کی حق تلفی ہوئی ہو تو اس میں اضافی طور پر یہ شرط بھی ہے کہ اُس کا ازالہ کیا جائے۔ اگر کسی کا مال یا جائداد غصب کی ہے، تو اُسے واپس کیا جائے کسی پر تہمت یا الزام لگایا ہے تو اس شخص سے بھی معافی مانگی جائے جس پر الزام لگایا ہے۔ عقل سلیم بھی یہی بات کہتی ہے کہ ایک آدمی اپنی زیادتی کا ازالہ کرسکتا ہے، مگر ازالہ نہیں کرتا، محض توبہ کی رٹ لگائی ہوئی ہے، تو اُس کی توبہ توبہ نہیں۔

اگر آدمی اِن شرائط کو پورا کرتے ہوئے توبہ کرے، تو یقیناً اللہ تعالیٰ اُس کے گناہ معاف فرمادے گا اور اُسے نیک کاموں کی توفیق عطا فرمائے گا۔ یہی وہ توبہ ہے جسے توبہ نصوح کہا گیا ہے اور اسی کی انسان کو دعوت دی گئی ہے۔ سورۃ التحریم میں فرمایا: ''مومنو! اللہ کے آگے صاف دل سے توبہ کرو'' آیت: ۸) سورہ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے: ''اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔''

توبہ کے درجے ہیں۔ توبہ ایک یہ ہے کہ آدمی کفر سے اسلام میں داخل ہو، تو ایسے شخص کے سابقہ سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ وہ ایسے ہی ہوجاتا ہے جیسے آج ہی اُس کی ولادت ہوئی ہے۔ توبہ کی دوسری سطح یہ ہے کہ ایمان لانے کے بعد شاہراہ بندگی پر چلتے ہوئے کہیں قدم ڈگمگا جائیں اور اللہ کا حکم ٹوٹ جائے تو اب پھر ضرورت اس بات کی ہے کہ آدمی توبہ کرے، اور توبہ متذکرہ شرائط کے ساتھ کرے، یعنی گناہ پر شدید نادم ہو، گناہ کو چھوڑ دے اور آئندہ کے لئے گناہ نہ کرنے کا عزم کرے۔ اللہ اُسے معاف فرمادے گا۔ سچی توبہ کے باوجود اگر پھر اس کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور اُس سے گناہ ہوجاتا ہے، تو پھر دوبارہ توبہ کرے، اللہ پھر معاف کردے گا، کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بے پایاں ہے۔

جب کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہؐ سے سنا، آپ ارشاد فرماتے تھے ''اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کی توبہ سے اس مسافر آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو (اثنائے سفر میں) کسی ایسی غیر آباد اور سنسان زمین پر اُتر گیا ہو جو سامان حیات سے خالی اور اسباب ہلاکت سے بھرپور ہو اور اس کے ساتھ بس اس کی سواری کی اونٹنی ہو، اسی پر اس کے کھانے پینے کا سامان ہو، پھر وہ (آرام لینے کے لئے) سر رکھ کے لیٹ جائے پھر اسے نیند آجائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو دیکھے کہ اس کی اونٹنی (پورے سامان سمیت) غائب ہے، پھر وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو، یہاں تک کہ گرمی اور پیاس وغیرہ کی شدت سے جب اس کی جان پر بن آئے تو وہ سوچنے لگے کہ (میرے لئے اب یہی بہتر ہے) کہ میں اُسی جگہ جاکر پڑ جاؤں (جہاں سویا تھا) یہاں تک کہ مجھے موت آجائے، پھر وہ (اسی ارادہ سے وہاں آکر) اپنے بازو پر سر رکھ کر مرنے کے لئے لیٹ جائے پھر اس کی آنکھ کھلے تو وہ دیکھے کہ اس کی اونٹنی اس کے پاس موجود ہے اور اس پر کھانے پینے کا پورا سامان (جوں کا توں) محفوظ ہے تو جتنا خوش یہ مسافر اپنی اونٹنی کے ملنے سے ہوگا اللہ کی قسم! مومن بندے کے توبہ کرنے سے اللہ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔'' (متفق علیہ)

••

امریکہ کے چھ حصے اور پروفیسر پینارین

رؤف عامر

اس نقطے پر دنیا کی تمام اقوام کا پختہ یقین ہے کہ تاریخ کے فیصلے کبھی غلط نہیں ہوتے اور تاریخ سے سبق حاصل نہ کرنے والی قومیں بظاہر عسکری دنیاوی اور معاشی طور پر مستحکم اور فولادی نظر آرہی ہوتی ہیں مگر تاریخ کش معاشروں کے حکمراں دراصل اپنی بنیادوں کی کھوکھلا کررہے ہوتے ہیں اور پھر وہ وقت بھی آہی جاتا ہے کہ کھوکھلی بنیادیں اپنے اوپر ایستادہ ریاستی ڈھانچہ کی عمارت کو ایسا جھٹکا دیتی ہیں کہ وہ زمین بوس ہوجاتی ہے۔ شاید اسی لئے کہا گیا ہے کہ تاریخ کو مسخ کرنے تاریخ کے ساتھ کھلواڑ اور مذاق کرنے والی قومیں خود ہی وقت کے ہاتھوں مسخ ہوجاتی ہیں اور پھر تاریخ ہی انہیں کھلواڑ اور تازیانہ مذاق بنادیا کرتی ہے۔ برطانوی مفکر برناڈ شاہ کا یہ تاریخ ساز جملہ وائٹ ہاؤس کے تخت نشینوں پر خوب صادق آتا ہے کہ ہم تاریخ سے صرف یہی سیکھتے ہیں کہ کچھ نہیں سیکھتے۔ تاریخ کا قبرستان کئی تہذیبوں ریاستوں اور سپر پاورز کو گوشہ گمنامی اور دیدہ حسرت وعبرت بنی ہوئی قبروں میں چھپائے ہوئے ہے۔ کیا کوئی شخص یہ تصور کرسکتا تھا کہ سوویت یونین نام کی ایک ایسی عالمی طاقت جس کے اسلحہ خانوں اور جوہری تجربہ گاہوں میں ستائیس ہزار سے زائد ایٹمی ہتھیار اور جراثیمی ہتھیار موجود ہوں جس کی افواج سرخ آندھی کے روپ میں آدھی دنیا پر چھائی ہوئی ہوں وہ ایک روز مٹھی بھر جہادیوں کے ہاتھوں کابل کے روکھے پہاڑوں میں زندہ درگور ہوکر بکھر جائے گی؟ سرخ فوجیں جب سقوط کا میڈل اور دلخراش شکست کا پرچم تھامے واپسی کے سفر پر تھیں تو جونہی رشین نے دریائے آمو پار کیا تو جنرل گریموف نے پیچھے نظر دوڑائی تو کابل کی پہاڑیاں اسے خدا حافظ کہہ رہی تھیں۔ گریموف نے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ پہاڑوں کی طرف انگلی کرکے ایک جملہ کہا جو تاریخ کے ماتھے پر چکرا گیا۔ گریموف گلوگیر لہجے میں گویا ہوا کہ ہم ان پہاڑوں میں اپنی تاریخ جغرافیہ اور تہذیب دفن کرآئے ہیں۔

کابل میں ناٹو کی ہزیمت یہ ظاہر کرتی ہے کہ تاریخ کا جبڑا موجود سپر پاور کو نگلنے والا ہے۔ روسی پروفیسر پینارین نے ۱۹۸۱ء میں پیشین گوئی کی تھی کہ امریکہ ۲۰۱۰ء تک دم توڑے گا مگر روسی پروفیسر کے علم نجومیات پر زہر قند تنقید کی گئی تھی۔ امریکہ کے معاشی بحران عراق وافغانستان میں پڑنے والے صدموں اور اندرونی مسائل کی وجہ سے پینارین کی پیشین گوئی کی حقیقت دوچار سال بعد ہی سچی وکھری لگتی ہے۔ خود امریکی ماہرین تجزیہ کرتے ہیں کہ امریکہ چھ حصوں میں بٹ جائے گا۔ امریکہ کے مالیاتی تماشاگر رائے رکھتے ہیں کہ معاشی بحران اس سال کے آخر تک مزید شدت اختیار کرلے گا اور یہ بھی نائن الیون کی طرح کریش ۹ کہلائے گا۔ روسی معاشی سائنس داں تو اس سے آگے بڑھ کر قیافے وتجزیے کرتے ہیں کہ روس کی طرح جب امریکہ کو معاشی جھٹکا لگا تو ریاست کا وجود بھی تحلیل ہوجائے گا۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وائٹ ہاؤس کے تھنک ٹینک حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے دم توڑتے، سسکیاں وآخری ہچکیاں لیتے ہوئے مالیاتی لاشے کو بیل آؤٹ کی شکل میں مصنوعی سانس فراہم کرنے کی بجائے اپنے نام نہاد نظریات کی نفی کرکے عراق اور افغانستان سے واپسی کا راستہ ڈھونڈتے۔ امریکہ اپنی ڈالروں کی ساری قوت کو جنگ میں جھونک کر بھی سرخرو نہیں ہوسکتا۔ اس وقت ضرورت یہ ہے کہ امریکہ ایک طرف نئی معاشی ومالیاتی پالیسی تشکیل دے تو دوسری طرف خارجہ پالیسی میں تبدیلی بھی وقت کی ناگزیر ضرورت ہے امریکی معیشت کا نروس بریک ڈاؤن آہستہ آہستہ ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے۔

آئس لینڈ وہ پہلا ملک ہے جس نے اپنے دیوالیہ پن کا اعلان کیا۔ آئس لینڈ کی کل جی ڈی پی ۶،۵ بلین ڈالر تھی مگر اس کے بینکوں نے ۶۵ بلین ڈالر سے بھی زائد کے قرضہ جات جاری کئے۔ برطانیہ بھی دیوالیہ ہوچکا ہے مگر دس ڈاؤننگ اسٹریٹ نے ابھی تک اس راز کو چھپا رکھا ہے ماہرین کا نقطہ نظر ہے کہ ابھی تو امریکہ میں ابتداء ہوئی ہے۔ رواں سال کے موسم خزاں کو امریکہ کے وجود کے لئے مضر قرار دیا گیا ہے کیونکہ تھنک ٹینک خزاں میں ریئل اسٹیٹ انڈسٹری کی تباہی کو نوشتہ دیوار سمجھ رہے ہیں۔ امریکہ کی کئی بڑی کمپنیاں مالیاتی ادارے اور بینک تیزی سے تنزل کی طرف رواں دواں ہیں۔ درجنوں کمپنیوں نے لاکھوں امریکیوں کو بے روزگاری کا تحفہ دیا۔ نیویارک واشنگٹن میں فلک بوس عمارتیں بھوت بنگلوں کا روپ اختیار کررہی ہیں کیونکہ ایک طرف انہیں خالی کیا جارہا ہے تو دوسری طرف کوئی انہیں کرائے پر لینے کو تیار نہیں۔ دسمبر ۲۰۰۸ء میں معروف امریکن

باقی صفحہ ۷ پر

سیاست میں سرمایہ داروں کا عمل دخل بڑھ گیا ہے

شیخ منظور احمد ،ایڈیٹر یو این آئی اُردو سروس، دہلی

ملک میں اس وقت یہ جو تین سیاسی گروپ یو پی اے، این ڈی اے اور تیسرا مورچہ ہیں انہیں اس بات کا یقین ہے کہ ان میں سے کسی کو واضح اکثریت حاصل ہونے والی نہیں ہے۔ وہ اقتدار حاصل کرنے کی دوڑ میں ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے حد سے گزر جانا چاہتے ہیں۔ ان کا مقصد اصولوں کی بنیاد پر الیکشن لڑنا نہیں بلکہ ہر قیمت پر اقتدار حاصل کرنا رہ گیا ہے۔ کانگریس کو بھی اس بات کا احساس ہے کہ اس بار اس کی حلیف جماعتوں کی کارکردگی بہت بہتر ہونے کا امکان نہیں۔ سیٹوں کو لے کر وہ بھی کافی فکر مند نظر آ رہی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ اس نے ابھی سے دوسرے حلیفوں کی تلاش شروع کر دی ہے سیاسی حالات بہت مبہم ہیں کسی کو یہ پتہ نہیں ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ کس حد تک بایاں بازو کی پارٹیوں کی حالت مختلف ہے لیفٹ کسی بھی صورت میں بی جے پی کے ساتھ نہیں جا سکتا۔ باقی پارٹیاں اپنے سیاسی مفاد کو حاصل کرنے کے لئے کسی بھی حد تک جانے کو تیار نظر آتی ہیں۔ بھارت کی سیاست میں سرمایہ داروں کا اب خاص دخل ہو گیا ہے۔ اب ایک عام آدمی کے لئے یہ ممکن نہیں رہ گیا ہے کہ وہ انتخاب لڑ سکے۔ پورے سیاسی نظام پر سرمایہ حاوی ہو گیا ہے۔ کچھ پارٹیاں امیدواروں سے روپیہ لیتی ہیں تو کچھ اُمیدواروں کو سرمایہ فراہم کرتی ہیں۔ انتخاب میں سرمایہ کا دخل اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اب اس پر قابو پانا آسان نہیں ہے اس کا اثر آئندہ بہت خطرناک ہوگا۔

گزشتہ دس سال سے ایسی حکومت رہی ہے جس میں درجنوں پارٹیاں شامل رہی ہیں اس کی وجہ سے حکومت کے کام کاج کی شفافیت متاثر ہوتی ہے۔ جن لوگوں کے خلاف مقدمات قائم ہیں شمولیت کے بعد ان پر نرمی برتی گئی جسے ہم سب نے اس دوران دیکھا یہ جمہوریت کے لئے انتہائی خطرناک ہے۔ کانگریس پارٹی کی داخلی کمزوری کی وجہ سے ہی کل ہند سطح کی پارٹی سمٹ کر کچھ ریاستوں تک ہی محدود ہو گئی ہے اس کے مقابلے میں علاقائی پارٹیاں بہت مضبوط ہو رہی ہیں اور ان کا اثر و رسوخ بڑھ رہا ہے۔ ہندوستان کا ووٹر بہت باشعور ہے اسے یہ پتہ ہے کہ اس کے لئے کیا بہتر ہے وہ کسی بھی کھوکھلے نعرے کے بہکاوے میں آنے والا نہیں ہے۔ اس پورے الیکشن میں روزانہ ایک ایشو لایا جاتا ہے لیکن وہ مستقل ایشو نہیں بن پا رہا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ عوام سے منسلک کوئی ایشو اب تک نہیں لایا گیا جو عام لوگوں کو متوجہ کر سکے۔ الیکشن ایشو یہاں کی غربت بے روزگاری اور بدعنوانی ہے جس پر کسی نے بات نہیں کی۔ اگر ان مسائل پر سیاسی پارٹیاں بات کرتیں تو عوام کا تعاون انہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ تمام تر کوششوں کے باوجود ووٹنگ فیصد میں کمی آئی ہے۔ سیاسی پارٹیوں نے اس بار نہ صرف الیکشن مہم کے دوران مخالف پارٹیوں کے لیڈروں کو نشانہ بنایا اور ان کی ذات پر حملے کئے بلکہ انہوں نے اُردو اخبارات کا بھی اس مقصد کے لئے استعمال کیا ہے اشتہارات کے ذریعہ ایک دوسرے پر تنقید کرتے رہے۔ جہاں تک الیکشن کمیشن کی کارکردگی کا معاملہ ہے اس کے پاس بہت زیادہ اختیارات نہیں ہیں وہ صرف ہدایت ہی دے سکتا ہے اس لئے پارٹیاں اس کی ہدایت کی پروا نہیں کرتیں۔ انتخابات صاف ستھرے اور آزادانہ ہوں اس کو یقینی بنانے کے لئے کوئی ایسا کمیشن بنایا جائے جو پارٹیوں سے صلاح و مشورہ کر کے انہیں یہ ہدایات دے تاکہ اس پر قابو پایا جا سکے۔

گفتگو پر مبنی

انتخابی مہم کا گرتا ہوا معیار واقعی تشویشناک ہے

محمد صبغة اللہ ندوی

سوال صرف انتخابی مہم کے گرتے ہوئے معیار کا نہیں ہے بلکہ ملکی سیاست جس رُخ پر چل رہی ہے اور اس میں جس طرح کے لوگ آ رہے ہیں، سیاست سے جڑی ہر چیز کا معیار دن بدن گرتا ہی جا رہا ہے، چاہے لوک سبھا یا راجیہ سبھا میں بحث کا معاملہ ہو یا ملکی مسائل اٹھانے اور ان پر بات چیت کرنے کا معاملہ ہو یا اہم ایشوز پر سیاست کا سوال ہو، جب ہر چیز کا معیار گر گیا ہے تو انتخابی مہم کا معیار گرنا فطری ہے۔ ایک دوسرے پر الزام تراشی، کیچڑ اچھالنا حتیٰ کہ بدکلامی تک نوبت آ جائے، یہ ساری چیزیں ملکی سیاست کا پہلا سبق بن گئی ہیں۔ موجودہ دور میں اخلاقیات تو سیاست سے کوسوں دور ہو گئی ہیں، سیاسی رہنما اس سے عاری ہو چکے ہیں۔

انتخابی مہم کو پہلے وعدوں اور سبز باغ

اور ملکی ایشوز پر باتیں کم کریں اور الزام تراشی، کیچڑ اچھالنے، چھینٹا کشی اور بدکلامی کے نام پر عوام سے ووٹ مانگیں۔

اس بار کے انتخابات میں ذاتی تنقید جتنی دیکھی گئی ہے اس کی مثال ماضی میں شاید ہی ملے گی۔ اس صورتحال نے ملکی سیاست ہی پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔ ہر کسی کے ذہن میں یہ سوال کھٹک رہا ہے کہ آخر ملکی سیاست اور ملک کہاں اور کس رُخ پر جا رہا ہے؟ عوامی اور ملکی مسائل کو کیوں نظر انداز کیا جا رہا ہے؟ کیا سیاسی رہنماؤں کی دلچسپی انہیں حل کرنے میں نہیں رہی؟ اتنا تو طے ہے کہ انتخابی مہم کا یہ نیا طریقہ رائے دہندگان کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گا لیکن رائے دہندگان کے لئے بھی امیدواروں میں سے صحیح امیدوار کا انتخاب کرنا آسان نہیں ہوگا۔

بات ملک کا ہر شہری اچھی طرح جانتا بھی ہے اور آزما بھی چکا ہے کہ صرف قانون سازی سے مسائل حل نہیں ہوتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ملک میں ہر جرم کے خلاف قانون موجود ہونے کے باوجود جرائم کا گراف دن بدن نہیں بڑھتا۔ سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ ملکی سیاست اور انتخابی مہم کا معیار گرانے والے ہی قانون ساز ہوں تو ان سے بہتری کی امید کس طرح کی جا سکتی ہے؟ وہ اپنے خلاف قانون تو بنائیں گے نہیں۔ ورنہ سیاست کی جرائم زدگی پر بہت پہلے روک لگ جاتی اور سیاست میں جرائم پیشہ افراد کے داخلے کے لئے قانونی داؤ پیچ کے ذریعے گنجائش نہیں نکالی جاتی۔ اس لئے جب تک ملکی سیاست کی اصلاح نہیں ہو جاتی، پارلیمنٹ کے اندر اور باہر بحث کا معیار اور الیکشن کے موقع پر انتخابی مہم کا معیار

انتخابی مہم کو پہلے وعدوں اور سبز باغ دکھانے کا موسم کہا جاتا تھا لیکن اس بار لوک سبھا انتخابات میں جیسی مہم چلائی گئی ہے، اب تو اس کے لئے اس سے بھی برا نام تلاش کرنا ہوگا۔ پہلے کم سے کم عوام سے وعدے تو کئے جاتے تھے، اب تو انتخابی ایشوز اور وعدوں پر بہت کم گفتگو کی جا رہی ہے۔ ساری توانائی ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے، کیچڑ اُچھالنے اور بدکلامی پر صرف کی جا رہی ہے جن کا عوام سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔

دکھانے کا موسم کہا جاتا تھا لیکن اس بار لوک سبھا انتخابات میں جیسی مہم چلائی گئی ہے، اب تو اس کے لئے اس سے بھی برا نام تلاش کرنا ہوگا۔ پہلے کم سے کم عوام سے وعدے تو کئے جاتے تھے، اب تو انتخابی ایشوز اور وعدوں پر بہت کم گفتگو کی جا رہی ہے۔ ساری توانائی ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے، کیچڑ اچھالنے اور بدکلامی پر صرف کی جا رہی ہے جن کا عوام سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اب عوام اپنے حق رائے دہی کا فیصلہ سیاسی رہنماؤں کی چھینٹا کشی کی بنیاد پر کریں گے اور اس کو ووٹ دیں گے جو سب سے زیادہ اخلاقی حدود سے تجاوز کرتا ہے اور کیا اب سیاسی رہنماؤں کا یہی کام رہ گیا ہے کہ عوامی

اخیر تک غیر یقینی کیفیت طاری رہے گی۔

ایسی بات نہیں ہے کہ ملک میں انتخابی ایشوز کی کمی ہے، بہت سے مسائل ایسے ہیں جن پر بات کی جائے تو عوام کی توجہ مرکوز ہو سکتی ہے لیکن جب صورتحال یہ ہو کہ سیاست برائے سیاست کی جائے تو ان ایشوز پر بات کیسے کی جا سکتی ہے۔ انتخابی مہم کا معیار صرف اس بار ہی نہیں گرا ہے بلکہ کافی عرصے سے مسلسل گر رہا ہے لیکن کبھی اس پر توجہ نہیں دی گئی۔ اس بار جب پانی سر سے اونچا ہو گیا تو ہر کوئی اس بابت سوچنے لگا ہے اور اس کا علاج تلاش کر رہا ہے۔ کوئی انتخابی ضوابط اخلاق کو مزید سخت بنانے کی بات کر رہا ہے تو کوئی تادیبی کارروائی کی بات کر رہا ہے۔ جب کہ یہ

اسی طرح گرتا ہی رہے گا۔ سیاسی رہنما اس سے زیادہ گر جائیں گے اور غیر جمہوری و غیر اخلاقی طور طریقوں کا مظاہرہ کرتے رہیں گے۔ ملکی سیاست کی اصلاح کے لئے اب عوام ہی کو آگے آنا ہوگا اور کچھ کرنا ہوگا تبھی بہتری کی امید کی جا سکتی ہے۔ سیاسی رہنماؤں سے تو کچھ بھی امید کرنا فضول ہے۔ رہی بات الیکشن کمیشن کی تو وہ بھی اس معاملہ میں اپنے طور پر کچھ نہیں کر سکتا کیونکہ قانون سازی تو سیاسی رہنما ہی کریں گے الیکشن کمیشن تو صرف اس کا نفاذ کرے گا جب سیاسی رہنما اپنے بچاؤ کے لئے گنجائش نکال لیں گے تو الیکشن کمیشن کچھ نہیں کر سکے گا جیسا کہ سیاست کی جرائم زدگی کے بارے میں بھی دیکھ رہے ہیں۔ ●●

قانون کا احترام اُٹھ چکا ہے

شفیق الرحمن

پندرھویں لوک سبھا کے لئے ہونے والے عام انتخابات کا صبر آزما عمل تیرہ مئی کی پولنگ کے ساتھ اختتام پذیر ہوا، تقریباً ایک ماہ تک جاری رہنے والے اس عمل کے پانچوں مراحل نے ایک بار پھر یہ ثابت کر دیا کہ الیکشن کا جو حقیقی مقصد بتایا جاتا ہے عام انتخابات کے ذریعہ اتنا عرصہ گزر جانے کے باوجود وہ مقصد حاصل نہیں کیا جا سکا ہے۔ جمہوری نظام کی جو معروف اور مسلمہ تعریف کتابوں میں پائی جاتی ہے اور ہر خاص و عام جس کو بار بار دہراتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ وہ نظام ہے جو عوام کے لئے ہے، عوام کے ذریعہ وجود میں لایا جاتا ہے اور یہ فی الواقع عوام کا ہے، لیکن آزادی

ہوتا، ان کا سیاسی شعور پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا جاتا، مسائل کی سمجھ بوجھ بڑھتی، سیاسی پارٹیوں کا معیار بلند ہوتا، عوامی نمائندوں کی سطح میں بہتری آتی، انتخابی عمل صاف شفاف ہوتا چلا جاتا اس کی شفافیت کی سطح بلند ہوتی۔ ظاہر ہے ملکی سیاست پر اس کا اثر پڑنا لازمی تھا، جب عوام کی سطح بلند، ان کا معیار انتخاب اونچا ہوتا، ان کی سوچ اور ان کا طرز عمل غلطیوں سے پاک ہوتا تو ان کے نمائندے بھی لازماً ویسے ہی ہوتے، لیکن افسوس کہ ان میں سے شاید کچھ بھی حاصل نہیں ہو سکا۔

رائے دہی کا تناسب لوک سبھا کے انتخابات میں کبھی بہت اچھا نہیں رہا،

کہ بعض بڑے صوبوں میں مجموعی طور پر پچاس فیصد سے بھی کم ووٹ ڈالے گئے ہیں، ایک دوسری بڑی شکایت یہ ہے کہ انتخابی مہم کا معیار روز بروز گرتا جا رہا ہے، لوگ یہ کہتے ہوئے نظر آ رہے ہیں کہ انتخابی مہم کے دوران عوامی مسائل تو سرے سے زیر بحث لائے ہی نہیں جاتے، نہ سیاسی پارٹیوں کا ریکارڈ اور ان کی کارکردگی کا حساب کتاب لیا جاتا ہے۔ ہر جماعت اپنی مخالف جماعت پر کیچڑ اُچھالتی ہے ہر لیڈر دوسرے لیڈر کے دامن کے داغ دھبوں کی نشان دہی کرنے میں مصروف نظر آتا ہے۔ الیکشن کمیشن بے بس نظر آتا ہے اور یہ تماشے دیکھتا رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں

سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ قانون کا احترام اٹھ چکا ہے اس کی پاسداری بھی بس اس قدر ہوتی ہے تاکہ گرفت میں آنے سے بچا جا سکے، ہر کوئی گنجائشیں نکالنے کی فکر میں رہتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قانون کے محافظوں کا مزاج بھی طرح دینے کا بن گیا ہے، عام لوگوں کا بھی یہی حال ہے اور جب عام لوگوں کا یہی مزاج ہے تو عوامی نمائندے بھلا اس سے مستثنیٰ کیسے رہ سکتے ہیں۔

کے بعد سے اب تک پندرہ مرتبہ کی مشق کے باوجود یہ چیز حاصل نہیں ہو سکی ہے۔ پندرہ مرتبہ تو عام انتخابات ہوئے، اسمبلی کے انتخابات اس سے الگ ہیں اگر ان کو شامل کر لیا جائے تو گویا یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملک کے عوام کو اب تک اس مشق کا کافی موقع مل چکا ہے اور اب وہ کافی تجربہ کار بھی ہو چکے ہیں، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ انتخابی عمل میں نکھار آتا، ہر اگلا عمل پچھلے عمل کے مقابلہ میں بہتر ہوتا، پچھلی غلطیوں کو سدھارا جاتا، اور ہر سطح پر مثبت و خوشگوار تبدیلی ہوتی۔ یعنی اس عمل میں جتنے بھی عوامل و محرکات شامل ہیں ان کی کارکردگی بہتر ہوتی چلی جاتی۔ عوام کی شمولیت میں اضافہ

۷۰، ۷۵ فیصد تو آج تک نہیں پہنچا، چند علاقوں کی بات اور ہے، ملکی سطح پر ایسا کبھی نہیں ہوا، اس کا نتیجہ یہ سامنے آیا کہ ایک طویل عرصے تک ۳۰، ۳۵ فیصد اور کبھی اس سے زیادہ ووٹ پانے والی پارٹی ملک پر حکمراں رہی، اور جب سے مخلوط حکومت کا دور آیا ہے، اس میں اور بھی گراوٹ آئی ہے، یہ عجیب بات ہے کہ بعض علاقوں میں تو مجموعی طور پر ۲۰، ۲۵ اور ۳۰ فیصد ہی ووٹ ڈالے گئے۔ پھر بھی اس کو عوامی مینڈیٹ کا درجہ دے دیا گیا، ایسا ایک بار نہیں کئی مرتبہ ہو چکا ہے اس بار بھی بعض علاقوں میں ۲۰، ۲۵ فیصد ووٹ ڈالے گئے تو کہیں ۳۵، ۳۶ فیصد، یہاں تک

یہ کہا جا سکتا ہے کہ قانون لاچار محض بن کر رہ گیا ہے اس لئے کہ الیکشن کمیشن قانون کے درجے پر فائز ہے۔ سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ قانون کا احترام اٹھ چکا ہے اس کی پاسداری بھی بس اس قدر ہوتی ہے تاکہ گرفت میں آنے سے بچا جا سکے، ہر کوئی گنجائشیں نکالنے کی فکر میں رہتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قانون کے محافظوں کا مزاج بھی طرح دینے کا بن گیا ہے، عام لوگوں کا بھی یہی حال ہے اور جب عام لوگوں کا یہی مزاج ہے تو عوامی نمائندے بھلا اس سے مستثنیٰ کیسے رہ سکتے ہیں اس لئے کہ وہ بھی تو انہی میں سے چنے جاتے ہیں۔ ●●

دہلی کے پارلیمانی حلقوں میں پولنگ کا تناسب

پارلیمانی حلقہ چاندنی چوک

اسمبلی حلقہ	کل ووٹ	ووٹ پڑے	پولنگ فیصد
آدرش نگر	141233	72711	51.48
شالیمار باغ	154938	90517	58.42
شکور بستی	141382	83344	58.95
تری نگر	149517	86556	57.89
وزیر پور	159060	84137	52.90
ماڈل ٹاؤن	148512	81674	54.99
صدر بازار	149938	86667	57.80
چاندنی چوک	111092	61308	55.19
مٹیا محل	117829	59887	50.83
بلیماران	139862	73460	52.52
میزان: کل ووٹ	1413363	780261	55.21

پارلیمانی حلقہ شمال مشرق دھلی

اسمبلی حلقہ	کل ووٹ	ووٹ پڑے	پولنگ فیصد
براڑی	197340	92227	46.74
تیمار پور	158725	88338	55.65
سیما پوری	145645	86603	59.46
روہتاس نگر	169761	100811	59.38
سلیم پور	153395	79308	51.70
گھونڈہ	163714	85111	51.99
بابر پور	160085	86158	53.82
گوکل پور	157796	85784	54.36
مصطفیٰ آباد	172795	87511	50.82
کراول نگر	198149	86569	43.69
میزان: کل ووٹ	1676805	878420	52.39

پارلیمانی حلقہ مشرقی دھلی

اسمبلی حلقہ	کل ووٹ	ووٹ پڑے	پولنگ فیصد
جنگ پورہ	114836	63382	55.19
اوکھلا	223839	91208	40.75
ترلوک پوری	143337	84197	58.74
کونڈلی	141346	79463	56.22
پٹپڑ گنج	166703	84980	50.98
لکشمی نگر	163985	89957	54.86
وشواس نگر	166087	93955	56.57
کرشنا نگر	178671	103472	57.91
گاندھی نگر	149323	82672	55.38
شاہدرہ	156170	84125	53.87
میزان: کل ووٹ	1604297	857411	53.44

پارلیمانی حلقہ نئی دھلی

اسمبلی حلقہ	کل ووٹ	ووٹ پڑے	پولنگ فیصد
قرول باغ	146027	87490	59.91
پٹیل نگر	157935	86554	54.80
موتی نگر	141918	85110	59.97
دہلی کینٹ	86941	43924	50.52
راجندر نگر	147645	80549	54.56
نئی دہلی	138375	78559	56.77
کستوربا نگر	145999	75898	51.99
مالویہ نگر	123358	73002	59.18
آر کے پورم	131091	68687	52.40
گریٹر کیلاش	153651	87009	56.63
میزان: کل ووٹ	1372940	766782	55.85

پارلیمانی حلقہ شمالی مغربی دھلی

اسمبلی حلقہ	کل ووٹ	ووٹ پڑے	پولنگ فیصد
نریلا	196853	83375	42.35
بادلی	189200	84556	44.69
رٹھالا	188910	95358	50.48
بوانا	245129	106360	43.39
منڈکا	194848	81345	41.75
کراڑی	162144	69360	42.78
سلطان پور ماجرا	136266	70675	51.87
ناگلوئی جٹ	178350	83779	46.97
منگول پوری	148435	86885	58.53
روہنی	157108	90997	57.92
میزان: کل ووٹ	1797243	852690	47.44

پارلیمانی حلقہ مشرقی دھلی

اسمبلی حلقہ	کل ووٹ	ووٹ پڑے	پولنگ فیصد
مادی پور	146167	85618	58.58
راجوری گارڈن	137388	76679	55.81
ہری نگر	147232	86610	58.83
تلک نگر	137112	74620	54.42
جنک پوری	148441	89405	60.23
وکاس پوری	246885	119723	48.49
اُتم نگر	166848	85456	51.22
دوارکا	139925	77154	56.55
مٹیالہ	234339	115444	49.26
نجف گڑھ	181353	73708	40.64
میزان: کل ووٹ	1685690	884417	52.47

پارلیمانی حلقہ جنوبی دھلی

اسمبلی حلقہ	کل ووٹ	ووٹ پڑے	پولنگ فیصد
بجواسن	115786	56471	48.77
پالم	163777	84305	51.48
مہرولی	150399	63952	42.52
چھتر پور	160666	70633	43.96
دیولی	178888	92180	51.53
امبیڈکر نگر	126329	71060	56.25
سنگم وہار	146580	63625	43.41
کالکاجی	146906	72952	49.66
تغلق آباد	148363	66828	45.04
بدر پور	205156	85285	41.57
میزان: کل ووٹ	1542850	727291	47.14
مجموعی: میزان	11093188	5747272	51.81

فکر معاصر

رند کے رند رہے

ملک کی ترقی اور خوشحالی کے خواہاں سبھی لوگ چاہتے ہیں کہ ملک میں مذہب کہیں بھی کسی جگہ کوئی رکاوٹ نہ بنے اور مذہب کو بھی کسی طرح کوئی نقصان نہ ہو اسی لئے سبھی کو آزادی ہے کہ وہ جس مذہب کو پسند کریں اس پر عمل کریں مگر کسی کو سرکاری سرپرستی نہیں حاصل ہوگی۔ یہ ایک اچھا اصول ہے اسی لئے گزشتہ ساٹھ برسوں سے ملک متحد، سالم اور مستحکم ہے۔ لوگ سیاست میں کارفرما ہوتے ہیں، اقتدار چاہتے ہیں تو انہیں پوری آزادی ہے کہ وہ عوام میں مقبولیت حاصل کرکے ان کے ووٹ سے اقتدار حاصل کریں لیکن کوئی ہندوؤں کے درمیان جاکر یہ کہے کہ میں ہندو ہوں اس لئے سبھی ہندو مجھے ووٹ دیں یا مسلمان، مسلمانوں کے اکثریتی علاقوں میں جاکر ان سے اس لئے ووٹ مانگے کہ وہ مسلمان ہے تو یہ کوئی درست اور معقول طریقہ نہ ہوگا جس کو بھی سامنے آنا ہے لوگوں کی حمایت درکار ہے اس پر لازم ہے کہ وہ سب کے سامنے آکر اپنے عزائم اور کارنامے بتائے۔ ایسے میں اگر وہ سچا ہے اور عوام اس کے عزائم کو درست سمجھتے ہیں تو اسے یقیناً کامیابی حاصل ہوگی اور ایسے میں وہ جو بھی منصب حاصل کرے گا وہ اس کا حق ہوگا۔ اب لوگ بڑے عزائم نہیں رکھتے اپنے کارنامے گنانے کے لئے بھی ان کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو وہ ذات اور برادری کے سہارے ہی عوامی حمایت چاہتے ہیں تو یہ بالکل غلط ہوتا ہے۔ یہ سیکولرزم کے خلاف ہوتا ہے تو اخلاقی طور سے بھی درست نہیں قرار دیا جاسکتا۔ لیکن بدقسمتی سے آج لوگ اپنی حکمت عملی کچھ اس طرح بناتے ہیں کہ انہیں اپنے عزائم اور کارناموں کو گنانے کی ضرورت نہ پڑے وہ بس اس لئے مقبول ہوجائیں کہ وہ جس برادری سے تعلق رکھتے ہیں اس کی اکثریت ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی اور اس سے اتفاق کرنے والی سیاسی جماعتیں و شخصیتیں کچھ اسی طرح کی حکمت عملی پر عمل کرتی ہیں اس لئے لوگوں میں تعصب اور نفرت کے جذبات پیدا کرتی رہتی ہیں اس سے جھگڑے فسادات ہوتے ہیں اور اس کا فائدہ ہوتا ہے کہ لوگ متحد ہوکر اسی کو ووٹ دیتے ہیں جس کے لئے فساد کرایا جاتا ہے۔ بھارتیہ جنتا پارٹی نے پیلی بھیت سے ورون گاندھی کو اپنا امیدوار بنایا تو ورون نے یہ سوچ کر کہ اکثریت تو ان ہی کے جیسے لوگوں کی ہے اس لئے ان کو ہی اپنا ہم خیال بنانا چاہئے، ایک بڑی ہی جوشیلی اور زہریلی تقریر کی جس سے ان کی جے جے کار ہوئی اور ان کی جیسی ذہنیت رکھنے والے بڑے جوش اور ولولے سے ان کے گرد آئے لیکن قانون نے اپنا کام کیا۔ ان کو زہریلی تقریر کرنے کی پاداش میں سزا ہوگئی۔ اب وہ یہ وعدہ کرکے پیرول پر چھوڑے گئے ہیں کہ پھر زہریلی تقریر نہ کریں گے تو وہ خود کو غیر متعصب بتانے کے لئے مسلمانوں کے درمیان بھی جارہے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ وہ مسلم اکثریتی علاقوں میں گئے مسلمانوں میں گھلے ملے مسلمانوں نے انہیں ہار پہنائے وہ کسی مزار پر بھی گئے، اس طرح مسلمان خوش ہوگئے تو وہ ہندو خفا ہوگئے جو ان کی زہریلی تقریر سن کر خوش ہوکر ان کے پرستار بن گئے تھے۔ یہ بڑا مہنگا سودا ثابت ہورہا تھا۔ ''الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا'' جیسی بات ہوئی تو اس کا توڑ یہ نکالا گیا کہ ان کا باقاعدہ ''شدھی کرن'' کیا گیا اب چونکہ یہ خطرہ محسوس کیا جارہا ہے کہ کہیں یہ باتیں مسلمانوں کو نہ معلوم ہوجائیں کہ ورون کا شدھی کرن اس لئے ضروری ہوگیا کہ وہ ان سے ملے اس سے ان میں خفگی پیدا ہوجائے اور وہ ووٹ نہ دیں اس لئے اب ''شدھی کرن'' کو ''ہون'' بتایا جارہا ہے جبکہ شدھی کرن کی کافی شہرت کی گئی تھی اور ہندوؤں کو بتایا گیا تھا کہ اگر ورون گاندھی مسلمانوں سے ملے تو کوئی حرج نہیں اب پاک صاف ہوگئے ہیں۔ اس طرح کی باتیں آج کے زمانے میں وہ بھی سیکولر ملک میں عین انتخابات کے زمانے میں کسی بھی طرح درست نہیں قرار دی جاسکتیں۔ جب اس طرح کی ذہنیت تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ہوگی تو یکجہتی اور یگانگت کو یقیناً دھچکا پہنچے گا۔ دنیا کے سامنے کوئی اچھی مثال نہ پیش کی جاسکے گی۔ اسلئے رائے دہندگان پر لازم ہے کہ وہ سب کچھ پیش نظر رکھیں۔ (آگ، لکھنؤ)

افغانستان میں امریکی مشکلات

ابوالعین

[امریکی میجر ڈینیل ایل ڈیوس بغداد میں فوجی ٹرینر کے طور پر کام کرتے رہے ہیں۔ انھوں نے افغانستان میں امریکی فوج میں اضافہ کرنے اور دیگر پالیسی امور پر تجزیہ تحریر کیا ہے۔ اس کا ترجمہ قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔]

افغانستان میں امریکی لڑاکا فوج کی صلاحیت پر شک کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ جنگ جیتنے کے حوالے سے ''بعض ناخوشگوار سوالات کا جواب دیا جائے۔ ان سوالات کا نہ صرف ہم کو سامنا کرنا چاہئے بلکہ ان کا جواب بھی دینا چاہئے۔ ان سوالات کا جواب نہ دینے کا یہ نتیجہ برآمد ہوگا کہ ہم ایک متبادل راستے کو اختیار نہیں کرسکیں گے جو ہمارے اس سارے افغان آپریشن کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔

سینئر رہنما، فوجی ماہرین اور خود صدر بارک حسین اوباما کہہ رہے ہیں کہ ہمیں اب افغانستان میں اپنی لڑاکا فوج کی تعداد کو ساٹھ ہزار سے زیادہ کرنا ہوگا۔ ہمیں بتایا جارہا ہے کہ ایک سخت جنگ کی ہمیں تیاری کرنا ہے۔ طالبان نے دوبارہ عروج پالیا ہے۔ آنے والے برسوں میں ہمیں ایک لمبی جنگ لڑنا ہے۔ سوال یہ ہے کہ افغانستان میں بگڑتی صورتحال کو بہتر بنانے کا حل زیادہ فوج تعینات کرنے میں ہے؟ میں اصرار سے کہوں گا کہ جواب صرف ''نہ'' میں ہے۔ ایک ''مکمل اور حتمی نہ''۔

مسئلہ یہ نہیں ہے کہ ہماری فوج کے لڑنے کی صلاحیت کے استعمال میں اس کی مرضی شامل ہے یا نہیں۔ جیسا کہ ڈگلس میک گریگر کہہ رہے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ بعض اوقات امریکہ ایسی حکمت عملی بھی اختیار کرتا ہے کہ سب سے بہترین اور مناسب راستہ یہ ہے کہ لڑا نہ جائے۔ اب میسر شہادتوں سے یہ حقیقت سامنے آئی ہے اور ہمیں مجبور کرتی ہے کہ پہلے جب بھی فوج کی تعداد میں اضافہ کیا گیا، اس سے فوجی ہلاکتوں میں اضافہ ہی ہوا اور دوسری حقیقت یہ سامنے آئی کہ اس سے دشمن کی صلاحیت بھی بڑھتی گئی۔ میک گریگر نے کہا ہے کہ فوجی فتح کو اس وقت تک مؤخر کردینا چاہئے جب تک یہ یقین نہ ملے کہ اسے حاصل کرنے کی قیمت بہت زیادہ نہیں ہوگی یا پھر اسے تب حاصل کیا جائے کہ اس کے بغیر ہمارے قومی مفادات پر کاری ضرب لگ جائے گی۔ اس حکمت عملی کے نکات پر غور کرلیا جائے تو موجودہ صورتحال کا حل تلاش کیا جاسکتا ہے اور جنگ کی تباہ کاری اور پیچیدگی سے بھی بچا جاسکتا ہے۔

فوج کی تعداد بڑھانے سے پہلے ہمیں حکمت عملی کے تین بنیادی پہلوؤں کو دیکھنا ہوگا جن سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ یہ اضافی فوج کیونکر ہماری کامیابی کی ضمانت نہیں بن سکتی۔ ہم افغانستان میں جنگ لڑتے رہے ہیں۔ یہ وہ خطہ ہے جس میں ۱۹۸۰ء کے عشرے میں سوویت یونین نے بغاوت کچلنے کے لئے ناکام جنگ کی۔ وہ ساڑھے سات سال لڑتا رہا، لیکن لوگ یہ سمجھنے میں قطعی ناکام ہوتے رہے کہ افغانستان کے عوام تیس سال سے ایک ہی طرح کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ اس جنگ میں امریکہ کے پیش نظر ایک ''مستحکم جمہوریت'' کا قیام بھی ایک مقصد ہے لیکن وہاں کسی بھی حکومت نے سیاسی استحکام کی منزل نہیں پائی۔ ۱۹۶۴ء میں وہاں لائی جانے والی جمہوریت بھی ناکام ہوگئی۔

گزشتہ چار دہائیوں میں سیاسی استحکام کا نہ ہوسکنا افغانستان میں ایک حیرت انگیز واقعہ ہے۔ بہت سے رہنماؤں، فوجی ماہرین اور قوتوں نے کوشش کر دیکھی ہے لیکن یہ سب وہاں کے مخصوص قبائلی نظام کو ختم نہیں کرسکے۔ افغانستان میں نسلی تفاوت کو دور نہیں کیا جاسکا۔ چنانچہ سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ امریکہ ناٹو فورسیز میں اور اپنی افواج میں اضافہ کرکے یہاں ایسا سیاسی استحکام لاسکتا ہے جس میں ان روایتی قوتوں کو، جن میں اب طالبان اور دوسرے بھی شامل ہوگئے ہیں، شکست دی جاسکے۔ تمام میسر شہادتیں بتا رہی ہیں کہ ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ یہاں مسلسل تشدد اور جنگ ہی ہماری ناکامی کی واحد وجہ نہیں ہے۔ ہم ایک تہذیب کے خلاف بھی جنگ کر رہے ہیں۔

یہ کوئی حیران کن بات نہیں ہے۔ اگرچہ وہاں کی تہذیب کے بارے میں، اسے سمجھنے کے لئے بہت جامع تربیت دی جاتی رہی ہے اور اس کا گہرا مطالعہ بھی ہوتا رہا ہے۔ اس کے باوجود اس کلچر کے بارے میں ہماری سوجھ بوجھ کا معیار بہت تنگ ہے اور ہم اس کے ایک جامع تفہیم میں مکمل طور پر ایک ایسی حالت میں ہیں جیسے کوئی شخص کسی جگہ پڑے نشانات کو ہی دیکھتا جارہا ہو۔ ہمارے اعلیٰ پالیسی سازوں کا معاملہ بھی اس میں ایک اور اضافہ ہے۔ یورپ کے اعلیٰ ترین تجزیہ نگار اور بہترین تناظر میں گہری نظر رکھنے والے ماہر گرٹ جان ہاف سٹیڈ سے میں نے ایک مرتبہ دریافت کیا کہ وہ افغان کلچر کے ان پہلوؤں پر قدرے روشنی ڈالیں جن کے اثرات امریکہ کے مشن پر پڑ رہے ہیں۔ ان کا جواب حوصلہ افزا ہرگز نہیں تھا۔

> یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ امریکی فوج کی تعداد میں اضافہ کیا جاتا ہے تو امریکی ہلاکتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ طالبان کی قوت میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے؟ ہم جس جنگ میں ملوث ہیں وہ تاریخ اور ایک تہذیب کے خلاف جنگ ہے۔ بدقسمتی سے فتح کے راستے میں ایک تیسرا عامل ہے جو درمیان میں کھڑا ہے۔ وہ ہے کہ ہمارا دشمن ہے کون، اس کی درست نشاخت کیا ہے۔

میرا سوال تھا کہ کیا افغانستان میں وہی امریکی ترانہ گایا جاسکتا ہے جو ہم نے عراق میں گایا تھا۔ (وہاں امریکہ نے بعض مقامی قبائل کو خریدا تھا کہ وہ اپنے مقامی علاقوں کا دفاع خود کریں اور دہشت گردوں کا مقابلہ کریں اور اس طرح تشدد میں کمی لائیں)۔ ان کا جواب تھا کہ یہاں یہ قطعی غیرحقیقی سوچ ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ افغانستان کے عوام اور امریکی فوج ایک طرف ہوجائے اور دہشت گردوں کو دوسری طرف کردیا جائے۔ افغانستان کے اندر موجودہ گروہ بندی قبائلی اور قومی بنیادوں پر ہے۔ اس لئے اسے دو متحارب حصوں میں تقسیم کرنا ممکن نہیں ہے۔ اولیور اورائے نے ۱۹۸۹ء میں تھرڈ ورلڈ کوارٹرلی میں لکھتے ہوئے ''قوم'' کا ذکر یوں کیا تھا کہ یہ معاشرے کا ایسا حصہ ہے جو مضبوط یکجہتی کا حامل ہے۔ یہ کہیں ایک وسیع خاندان کی صورت میں موجود ہے، کہیں یہ قبیلہ ہے اور کہیں یہ ایک پیشے سے وابستہ لوگ ہیں یا گاؤں ہے۔ ان کے درمیان خون کا رشتہ ہے اور یہ اپنے اندر ناقابل شکست تعلق رکھتے ہیں۔

افغانستان میں ''قوم'' ایک ایسی گہری شناخت لئے ہوئے ہے جسے مغربی آنکھ ابھی تک دیکھ نہیں پائی۔ ہوف اسٹیڈ کا کہنا ہے کہ یہ درست ہے کہ کبھی نہ کبھی ان قبائل کے درمیان تباہ کن جنگ بھی ہوجاتی ہے لیکن جب کوئی دشمن غیرملکی ہو تو پھر یہ اس طرح سے لڑتے ہیں کہ ''مجھے اور میرے بھائی'' کو خطرہ ہے۔ اور ہمیں ایک اجنبی کا مقابلہ کرنا ہے۔ اگر یہ اجنبی سوویت یونین یا امریکی فوج کی صورت میں آتا ہے تو مقامی لوگ اس اجنبی کا مقابلہ کرنے نکل پڑیں گے۔ جب اجنبی چلے جائیں گے تو یہ پھر آپس میں لڑیں گے تاکہ یہ قوت اور اقتدار اپنے قبیلے کے لئے حاصل کرسکیں۔

''افغان گوریلا وارفیئر'' کے نام سے لکھی جانے والی کتاب کے مصنف اور سابق وزیر داخلہ افغانستان علی جلالی نے اس کے مقدمے میں لکھا ہے کہ اس کلچر کی نوعیت اور ساخت کیا ہے۔ جب وہ افغانستان کی مرکزی حکومت کی ناکامی کا تجزیہ کرتے ہیں یا کسی حملہ آور کا ذکر کرتے ہیں تو لکھتے ہیں کہ کوئی حملہ آور ان کی قوم اور قبیلے کو کبھی تباہ نہیں کرسکا۔ لوگوں نے ہمیشہ اپنے اپنے عدم مرکزیت کے حامل قبائل اور اقوام پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ انھوں نے اپنے سیاسی، فوجی اور معاشی وسائل اور استعداد سے حملہ آور کا مقابلہ کیا ہے۔

وہائٹ ہاؤس نے ۱۵ر فروری ۲۰۰۷ء کو ایک پریس ریلیز میں امریکی پالیسی بیان کی تھی اور کہا تھا کہ ہمارا افغانستان میں ایک واضح مقصد ہے۔ ہم افغان عوام کی مدد کریں گے کہ وہ دہشت گردوں کو ختم کریں اور ایک معقول جمہوری حکومت قائم کریں جو اپنے عوام کے حقوق کا تحفظ کرے، اپنے علاقوں کا مؤثر دفاع کرے اور دہشت گردی کے خلاف جنگ میں ایک قابل بھروسہ اتحادی بن سکے۔ ہماری افواج کو یہاں آئے اور ہمارے پالیسی سازوں کو اس پر کام کرتے ۲۰۰۱ء سے اب تک کے عرصے میں مکمل شکست اور ناکامی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

جب ہم نے طالبان کو کابل سے بھاگنے پر مجبور کردیا، اس کے بعد کے چند برس ایسے گزرے، جن میں ہم نے بڑے اطمینان سے وقت گزارا۔ استحکام والی حکومت بھی رہی۔ جیسے جیسے وقت گزرتا رہا، افغان عوام نے محسوس کیا کہ ان کے معیار زندگی پر کوئی مثبت اثرات مرتب نہیں ہوئے۔ طالبان واپس آگئے اور تشدد میں اضافہ ہوگیا۔ طالبان کی سرگرمیوں کے جواب میں ۲۰۰۴ء سے امریکہ نے اپنی لڑاکا افواج کو استعمال کرنا شروع کیا۔ ہر سال فوج کی تعداد میں اضافے کا اس کے سوا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا کہ امریکی فوجیوں کی ہلاکتوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ امریکی ہلاکتوں میں اضافہ طالبان کی سرگرمیوں میں شدت کا سبب بنتا گیا۔ ان کی قوت اور شدت میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ امریکی فوج کی تعداد میں اضافہ کیا جاتا ہے تو امریکی ہلاکتوں میں اضافہ ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ طالبان کی قوت میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے؟ ہم جس جنگ میں ملوث ہیں وہ تاریخ اور ایک تہذیب کے خلاف جنگ ہے۔ بدقسمتی سے فتح کے راستے میں ایک تیسرا عامل ہے جو درمیان میں کھڑا ہے۔ وہ ہے کہ ہمارا دشمن ہے کون، اس کی درست نشاخت کیا ہے؟

سن تازو کا مشہور قول ہے: ''اپنے دشمن کو پہچانو اور پھر خود کو پہچانو اور پھر تمہیں نتیجے سے خطرہ محسوس نہیں ہوگا۔ خواہ سیکڑوں جنگیں بھی لڑنا پڑیں''۔ افغانستان میں یہ معاملہ بہت زیادہ اہم ہے۔ اس قول کا اگلا حصہ یہ ہے کہ ''خود کو پہچانو اور اپنے دشمن کو نہ پہچانو اور پھر تم اتنی ہی جنگیں ہار جاؤ گے جتنی جنگیں تم لڑو گے''۔ نائن الیون سے اب تک ہم نے اسامہ بن لادن کی القاعدہ اور طالبان کو ایک ہی سمجھا ہے اور یہ سمجھ لیا ہے کہ وہ امریکہ کے لئے ایک ہی طرح کے خطرے ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ وہ ایک جیسے خطرے نہیں ہیں۔ اسٹراٹ فور کے پالیسی تجزیہ کے نائب صدر پیٹر ڈے ہان نے درست کہا ہے کہ ان دونوں کی نوعیت، فطرت، ہیئت اور خطرے ہر طرح سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ ان تفرقات کی امریکی پالیسی سازی میں اہم جگہ ہونی چاہئے۔

القاعدہ کے ارکان سے لاحق خطرہ بین الاقوامی ہے، وہ اس حیثیت میں امریکہ کے لئے خطرہ ہیں کہ وہ کہاں اور کب تربیت لیتے اور کس وقت حملہ آور ہوتے ہیں۔ ان کی قیادت کو حفاظت کا سنگین معاملہ درپیش ہے۔ ان کی تلاش میں حکومتوں کے بے شمار ذرائع مصروف ہیں۔ القاعدہ کی طرف سے منصوبہ بندی، تربیت اور پھر آپریشن کرنے کی صلاحیت نمایاں طور پر بہت کم رہ گئی ہے۔ ڈے ہان کا کہنا ہے کہ القاعدہ اس قابل فی الحال نہیں رہی کہ وہ مختلف ممالک سے دہشت گرد بھرتی کرسکے تاکہ بین الاقوامی سطح پر حملے کرسکے۔ اس لئے ان کا کہنا ہے کہ القاعدہ کسی طرح بھی قریبی خطرہ نہیں ہے۔ وہ اپنے مقاصد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ وہ مغربی مفادات کو نشانہ بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتی...... ''بہت سے ایسے گروہ ہیں جن کو میں یہ قرار دوں گا کہ وہ القاعدہ سے الحاق کئے ہوئے ہیں اور وہ اس کا نام استعمال کرتے ہیں۔ وہ صرف نظری حد تک اس سے وابستہ ہیں......'' ان کی کوششوں اور کارروائیوں کے لئے القاعدہ کی لیڈرشپ یا اس کے نظریے سے کسی طرح سے رہنمائی نہیں لی جاتی۔ وہ القاعدہ کا صرف نام استعمال کرتے ہیں تاکہ شور زیادہ ہو اور بس۔ وہ اپنے ہی قومی سطح کے مفادات کے تابع رہتے ہیں۔ ان سے ان کی مقامی حکومتوں کو ہی خطرہ رہتا ہے اور وہ ماورائے قومی خطرے کا سبب نہیں بن پاتے اور اس طرح سے وہ امریکہ کیلئے بھی کسی تزویراتی خطرے کا سبب نہیں ہیں۔

القاعدہ سے کسی طرح کا تزویراتی خطرہ ہے بھی تو اس کی صلاحیت میں کمی کی وجہ سے...... کیا طالبان سے بھی ویسا ہی خطرہ ہے......؟ ڈے ہان کا کہنا ہے کہ طالبان کبھی بھی بین الاقوامی نوعیت کا خطرہ نہیں تھے اور نہ ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ بے اثر ہیں۔ طالبان نے گزشتہ برسوں میں خود کو جارحانہ، ظالمانہ، متشدد خطرہ ثابت کیا ہے۔ طالبان سے امریکی شہریوں کو کیا خطرہ ہے، ہماری زندگی اور آزادی کو کیا خطرہ ہے......؟ طالبان کی صلاحیت اور ان کی استعداد کو سامنے رکھیں تو ہم اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ طالبان کے امریکہ کے لئے خطرہ بننے کی بات درست نہیں ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ پالیسی تبدیل کی جائے اور اس کی ضرورت بھی ہے۔

جہاں تک امریکیوں کی جان کا معاملہ ہے تو پالیسی درست کرنے کے معاملے میں کسی طرح کی سیاسی درستی کی ضرورت نہیں ہے اس کے لئے میں جامع، متحرک اور تادیر پائیدار رہنے والی سفارشات پیش کرنا چاہوں گا تاکہ اس صورتحال کو بہتر کیا جاسکے جس کا ہمیں افغانستان میں سامنا ہے:

اول یہ کہ افغانستان سے لڑاکا فوجوں کی ایک بڑی تعداد کو نکال لیا جائے۔ ہم افغانستان کو چھوڑ کر نہیں جارہے۔ یہ کام تو ہم نے ۱۹۸۹ء میں سوویت یونین انخلاء کے بعد کیا تھا۔ اس کے بجائے ہم یہ کرنے جارہے ہیں کہ ایک ایسی تبدیلی لائیں جو وہاں پر تہذیبی طور پر قابل قبول ہو اور وہ ایک ایسا موقع فراہم کرسکے جو وقت کے ساتھ اسے مستحکم کرسکے۔

ناٹو اور امریکہ مل کر افغانستان کی حکومت میں سرمایہ کاری جاری رکھیں اور وہ مل کر اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ اور دوسرے ملکوں کے خارجہ امور کے ماہرین سے مل کر کوشش جاری رکھیں۔ وہاں کی این جی اوز کو ترقیاتی کاموں کے لئے مدد فراہم کریں۔ افغان معیشت کو مضبوط کرنے پر زور دیں۔ فوجی ماہرین کا وہاں کردار گہرا کرتے رہیں تاکہ افغانستان کی افواج کی تربیت جاری رہے۔ ان کو ہر طرح سے لاجسٹک سپورٹ دی جائے اور انہیں فضائی مدد بھی دی جائے۔ ان کو انسانی اور الیکٹرانک انٹیلجنس میں ماہر کیا جائے۔ داخلی سلامتی کی ساری ذمہ داری افغان فوج اور سلامتی کے اداروں کے سپرد کردی جائے۔ جب بھی محسوس ہو کہ ماورائے قومی عوامل خطرہ بن رہے ہیں، فوری طور پر امریکی اور ناٹو فوجی یونٹوں کو متحرک کیا جائے اور امریکہ کے تزویراتی اثاثہ جات کی مدد سے ان دہشت گرد اہداف کو تباہ کردیا جائے۔ مستقبل میں ایسے تمام آپریشنز نیم دلی سے نہ کئے جائیں بلکہ پوری قوت سے کئے جائیں۔ ماضی کے آپریشنز میں یہ نیم دلی بہت واضح طور پر نظر آتی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ جنگ میں ایسے کوئی پالیسی راستے نہیں ہوتے جن کے اثرات منفی نہ ہوں۔ موجودہ امریکہ اور ناٹو پالیسی ہمارے مفادات کے خلاف کام کر رہی ہے۔ ہم بڑی تعداد میں ان منفی اثرات کو بڑھنے کا موقع دے رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ خود میری سفارشات کے بھی بہت منفی اثرات ہوسکتے ہیں۔

اگر ہم اپنی افواج کے بڑے حصے کو نئے سرے سے متعین کریں۔ اس کے باوجود کہ ہم فوجی ماہرین، لاجسٹک سپورٹ، انٹیلجنس فضائی مدد وغیرہ سب کچھ دے رہے ہیں، ممکن ہے کہ افغان حکومت خود کھڑی نہ رہ سکے اور خود ہی گرجائے۔ ڈے ہان کا کہنا ہے کہ ایسا ہونا ناگزیر ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے افغانستان پر حکومت کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ ایک ناکام ریاست کا سارا نقشہ اپنے اندر رکھتی ہے۔

لیکن سخت سوال کا جواب لازمی ہے، کیا ہماری افواج کی واپسی کے بعد افغانستان میں حکومت کا گرجانا ایسے اثرات مرتب کرے گا جن سے ہمیں نقصان پہنچے یا وہاں زیادہ امریکی افواج بھیجنے کا نقصان زیادہ ہوگا تاکہ ہم اس حکومت کو گرنے سے بچا سکیں۔ اس طرح سے طالبان کی بڑھتی قوت اور ہماری فوجوں میں ہلاکت میں اضافے کی شرح ہمارے لئے زیادہ نقصاندہ ہوگی؟

ہمیں اس حقیقت سے ہرگز نگاہ نہیں چرانی چاہئے کہ ۲۰۰۱ء میں افغانستان میں داخلے سے پہلے کے ۲۳ سال مسلسل جنگ کے سال رہے ہیں۔ قوم پرست افغان ہماری تمام تر سچائی کے باوجود ہمیں ''دراندازی'' سمجھتے ہیں۔ جب ہم یہاں بہت بڑی تعداد میں (دو لاکھ یا اس سے بھی زیادہ) فوج لاتے ہیں اور پوری قوت سے افغانستان کے اندر طالبان کے مکمل خاتمے کی جنگ لڑتے ہیں، ہم جیت نہیں سکتے۔ الا یہ کہ ہم مزید بارہ ہزار یا تیس ہزار فوج لاکر کوشش کریں کہ ایک گھر کو لگی آگ کو باغ میں پانی لگانے والے پائپ سے بجھا سکیں۔

جیسا کہ ہم طالبان کے خلاف لڑ رہے ہیں، القاعدہ کی باقیات سے لڑ رہے ہیں، صوبائی وارلارڈز سے لڑ رہے ہیں، منشیات کے سوداگروں سے لڑ رہے ہیں، مقامی غنڈوں سے لڑ رہے ہیں، اسی طرح سے ہم افغان کلچر سے لڑ رہے ہیں۔ ہم افغان تاریخ سے لڑ رہے ہیں۔ یہ ایسی جنگ ہے جو ہم کبھی جیت نہیں سکتے۔ موجودہ یا اس میں اضافہ شدت قوت بھی کچھ نہیں کرسکتی۔ ضروری ہے کہ ہم اپنے مقاصد کو فتح سے ہم آہنگ کرنے کے لئے لازمی تبدیلیاں قبول کرلیں۔

یہ ہمارے لئے بہت اہم سوال ہے۔ ہم افغانستان میں اپنی کوششوں کو نئے سرے سے مربوط کریں۔ ہم پورے خطے کے تہذیبی اور ثقافتی پس منظر کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں۔ تاریخی سچائیوں کو قبول کریں اور طے کریں کہ امریکی اور ناٹو افواج صرف ماورائے قومی دہشت گردوں کا خاتمہ کریں گی جو ہمیں واقعی خطرے کی کال دے رہے ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے ہم اپنے فائدے کے لئے کام کرسکیں گے۔ اپنے دشمنوں کی اس صلاحیت کو ختم کرسکیں گے جو ہم پر دہشت گردی کے حملے کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح سے ہم اپنے شہریوں کا دفاع بھی یقینی بناسکیں گے۔

اگر ہم ایسا کرنے میں ناکام ہوگئے تو ہم ذمہ دار ہوں گے کہ ہم نے دشمن کی قوت بڑھانے میں کردار ادا کیا، ہم ایسی جنگ میں گہرے ڈوب جائیں گے جسے ہم کبھی جیت نہیں سکتے۔ ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود، ہم خود کو شدید تکلیف میں مبتلا کرتے جائیں گے۔ ہماری حالت اس حالت سے بہت خراب ہوجائے گی جو جنگ شروع کرنے سے پہلے تھی۔ ●●

انگلیوں کے نشانات

طارق اقبال سوہدروی

قیامت کے منکر اس بات کو ماننے کے لئے بالکل تیار نہیں ہیں کہ وہ انسان کہ جس کی ہڈیاں مرنے کے بعد گل سڑ کر ختم ہوجاتی ہیں، قیامت کے دن پھر جی اٹھے گا، یہ کس طرح ممکن ہے کہ ہر انسان وہی شکل و صورت لے کر دوبارہ زندہ ہوجائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب درج ذیل آیت میں دیا ہے: ''کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں اکٹھی نہ کرسکیں گے؟ کیوں نہیں، ہم اس بات پر قادر ہیں کہ (پھر سے) اس کی انگلیوں کے پور پور تک درست بنادیں۔'' (القیامہ: ۷۵/ ۳-۴)

ماں کے پیٹ میں حمل کے چوتھے مہینے میں جنین کی انگلیوں پر نشانات بنتے ہیں۔ جو پھر پیدائش سے لے کر مرنے تک ایک جیسے رہتے ہیں۔ انگلیوں کے نشان، آڑھی ترچھی، گول اور خمدار لکیروں پر مشتمل ہوتے ہیں۔ جو انسان کی جلد کے اندرونی و بیرونی حصوں کی آمیزش سے بنتے ہیں۔ کسی بھی انسان کی پہچان اور شناخت کے لئے ہاتھ کی لکیریں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ مگر اس بات کا بنی نوع انسان کو پتہ نہیں تھا۔ تاہم دو سو سال پہلے انگلیوں کے نشانات اس قدر اہم نہ تھے کیونکہ انیسویں صدی کے آخر میں یہ بات دریافت ہوئی تھی کہ انسانوں کی انگلیوں کے نشان ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں۔ ۱۸۸۰ء میں ایک انگریز سائنس دان Henry Faulds نے اپنے ایک مقالے میں جو ''نیچر'' نیمی جریدے میں شائع ہوا، اس بات کا انکشاف کیا تھا کہ لوگوں کی انگلیوں کے نشانات عمر بھر تبدیل نہیں ہوتے اور ان کی بنیاد پر ایسے مشتبہ لوگ جن کی انگلیوں کے نشانات کسی شے پر مثلاً شیشے وغیرہ پر رہ جاتے ہیں، مقدمہ چلایا جاسکتا ہے۔ ایسا پہلی بار ۱۸۸۴ء میں ہوا کہ انگلیوں کے نشانات کی شناخت کی بنا پر ایک قتل کے ملزم کو گرفتار کرلیا گیا تھا۔ اس دن سے انگلیوں کے نشانات شناخت کا نہایت عمدہ طریقہ بن گئے ہیں۔ تاہم ۱۹ویں صدی سے قبل غالباً لوگوں نے بھول کر بھی نہ سوچا ہوگا کہ ان کی انگلیوں کے نشانات کی لہردار لکیریں بھی کچھ معنی رکھتی ہیں اور ان پر غور بھی کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر ذاکر نائک کے مطابق: ''دنیا میں کسی بھی آدمی کی انگلیوں کے نشان کسی بھی دوسرے آدمی کی انگلیوں کے نشانات سے نہیں ملتے چاہے وہ جڑواں ہی کیوں نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ بین الاقوامی طور پر بھی پولیس مجرموں کی شناخت کے لئے فنگر پرنٹس کے طریقے ہی کو استعمال کرتی ہے۔''

ساخت کے لحاظ سے جلد دو تہوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ایک بیرونی پتلی تہہ جس کو برادمہ (Epidermis) کہتے ہیں۔ یہ تہہ برعلمی (Epithelial) خلیوں پر مشتمل ہوتی ہے جو باہم بہت زیادہ پیوست ہوتے ہیں۔ اس کے نیچے ایک اندرونی موٹی تہہ ہوتی ہے، جو ادمہ (Dermis) کہلاتی ہے۔ ادمہ کی سطح بہت سے مقامات پر انگلیوں کی طرح کے ابھاروں کی صورت میں اٹھی ہوتی ہے۔ یہ ابھار برادمہ میں گھسے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں ثالیل (Papillae) یا ادمی ثالیل (Dermal Papillae) کہتے ہیں۔ یہ ابھار ہتھیلی اور تلوؤں (بمعہ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کے) پر سب سے زیادہ نمایاں ہوتے ہیں۔

خاص طور پر ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کی سیدھی جانب ان ابھاروں کی قطاریں اس حد تک واضح ہوتی ہیں کہ ان کے نشانات کاغذ یا کسی بھی چیز پر حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ ہر فرد کی انگلیوں اور انگوٹھے میں ان ابھاروں کی ترتیب اور انداز مختلف ہوتے ہیں۔ یعنی ایک آدمی کی انگلیوں کے یہ نشانات کسی بھی دوسرے آدمی سے نہیں ملتے۔ حتیٰ کہ جڑواں بچوں کے بھی نہیں۔ نیز ایک ہی آدمی میں یہ ابھار ایک جیسے رہتے ہیں اور زندگی کے کسی بھی مرحلے میں تبدیل نہیں ہوتے۔ البتہ عمر کے

باقی صفحہ ۵ پر

اجیر اور مستاجِر کا باہمی تعلق

حافظ محمد مشتاق ربانی

فقہ اسلامی کی ایک اہم اصطلاح اجارہ ہے، جس میں کرایہ داری، کاری گری، نوکری مزدوری وغیرہ شامل ہیں۔ اگر کوئی آدمی کسی کی ماتحتی میں کام کررہا ہوتو اس کی بعض شکلوں کو نوکری اور بعض کو مزدوری کہتے ہیں۔ جس میں ایک فریق اجیر (Employee) یعنی اجرت پر کام کرنے والا، اور دوسرا فریق مستاجر (Employer) یعنی اجرت پر کام کرانے والا ہوتا ہے۔

اجیر کی دو قسمیں ہیں ایک اجیر مشترک جو اپنا مستقل فنی کاروبار کرتا ہے جیسے درزی، لوہار وغیرہ اور دوسرا اجیر خاص جو اپنی خدمات کسی شخص کے لئے بعوض وقف کردے مثلاً گھر کا ملازم یا کارخانے کا مزدور وغیرہ۔ اس مضمون میں اجیر خاص اور مستاجر کے حقوق وفرائض دو نہایت صالح شخصیات کے تناظر میں بیان کئے جارہے ہیں۔ بطور اجیر یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت پیش کی جارہی ہے جو ان کی ظہور نبوت سے پہلے کا دور تھا اور مستاجر کے طور پر ''شیخ مدین'' لئے جارہے ہیں جن کے نام اور بنیادی تعارف کے بارے میں مفسرین کرام میں شدید اختلاف ہے البتہ زیادہ تر مفسرین کے نزدیک ''شیخ مدین'' سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام ہیں، لیکن یہاں ان کا ذکر ''شیخ مدین'' کے طور پر کیا جارہا ہے جیسا کہ قرآن حکیم نے پیش کیا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر یوں تو قرآن حکیم میں بہت سے مقامات پر وارد ہوا ہے لیکن بحیثیت اجیر ان کا ذکر سورۃ القصص کی آیات ۲۲ تا ۲۸ میں ملتا ہے۔ بحیثیت اجیر آپ کو انتہائی طاقتور اور امانت دار کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طاقت اور جوانی کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ ایک مرتبہ ایک مصری (قبطی) ایک اسرائیلی کو ماررہا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پاس سے گزرے رہے تھے۔ اسرائیلی نے آپ سے مدد کی اپیل کی (حضرت موسیٰ علیہ السلام خود بھی نسلاً اسرائیلی تھے) آپ اسرائیلی پر ہونے والے ظلم کو روکنے کے لئے آگے بڑھے اور ظلم کرنے والے مصری کو ایک مکا دے مارا جس سے اتفاقاً وہ مصری مرگیا، حالانکہ اسے جان سے مارنے کا آپ نے سوچا بھی نہ تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کے مرجانے سے آپ کو بہت صدمہ پہنچا اور آپ نے اس جرم کی معافی کے لئے اللہ تعالیٰ سے فوراً استغفار کیا، لیکن اس مکے سے آدمی کے مرجانے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طاقت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سوء اتفاق سے جس اسرائیلی کی حمایت کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک مصری قتل ہوگیا، اگلے ہی دن اسے دوبارہ کسی اور سے جھگڑا کرتے ہوئے پایا۔ اس موقع پر بھی کوئی دوسرا قبطی اس اسرائیلی پر غالب تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر اس اسرائیلی نے دوبارہ آپ سے مدد طلب کی۔ آپ سے ظلم دیکھ کر رہا نہ گیا۔ چنانچہ ان کا جھگڑا ختم کرانے کے لئے آپ آگے بڑھے اور اسرائیلی کو جھڑکتے ہوئے کہا ''تو بھی بے شک صریح گمراہی پر ہے۔'' (القصص:۱۸) آپ کے آگے بڑھنے اور اسے ڈانٹنے پر اس اسرائیلی کو ڈر لگا کہ کہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام مجھے مارنا نہ شروع کردیں کہ تمہارا ہر روز کا کام لڑائی کرنا ہی ہے۔ چنانچہ آپ سے حادثاتی طور ہونے والا قتل جو ابھی تک چھپا ہوا تھا اس سے اس موقع پر بطور شرارت یا بے ساختہ یہ بات نکل گئی ''جس طرح تم نے کل ایک شخص کو مارڈالا تھا اسی طرح چاہتے ہو کہ آج مجھے بھی مارڈالو'' (القصص:۱۹) اس کی اس بات سے اگلے روز قتل ہونے والے قبطی کے قاتل کے بارے میں معلوم ہوگیا۔ چنانچہ آپ کو اس قبطی کے بدلے قتل کرنے کے بارے میں اب سازشیں ہونے لگیں۔ جس کے بارے میں آپ کو قتل کرنے کے منصوبے تیار ہورہے ہیں، آپ مصر کو چھوڑ دیں اور کسی اور جگہ چلے جائیں۔

پس ان حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے ڈرتے ہوئے اس اُمید کے ساتھ نکلے کہ اللہ تعالیٰ انہیں کسی اچھی جگہ پر پہنچادے گا۔ راستے میں آپ علیہ السلام کی زبان پر یہ الفاظ تھے: ''اے میرے پروردگار! مجھے ظالم لوگوں سے نجات دے۔'' (سورہ القصص:۲۱)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ''مدین'' پہنچے تو وہاں ایک جگہ کنویں پر پانی پلانے کے منظر کو دیکھ کر محسوس کیا کہ جس طرح مصر میں ظلم وزیادتی تھی کہ طاقتور کمزوروں کو آگے بڑھنے سے روکتے ہیں، اسی طرح ظلم وزیادتی اور ناانصافی یہاں پر بھی ہے کہ طاقتور لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلاکر جارہے ہیں اور دو لڑکیاں دوسروں سے علیحدہ کھڑی ہیں۔ آپ نے ان سے پوچھا ''تمہارے ساتھ کیا معاملہ ہے؟'' انہوں نے جواب دیا کہ ہمارا باپ بوڑھا ہوچکا ہے۔ ان مویشیوں کو ہم پانی پلانے آتی ہیں اور جب تک یہ تمام چرواہے اپنے اپنے مویشیوں کو پانی نہیں پلالیتے، اس وقت تک ہمیں اپنے مویشیوں کو پانی پلانے میں دشواری ہے۔ آپ ان کے مویشیوں کو لے کر آگے بڑھے اور مویشیوں کو پانی پلاکر انہیں فارغ کیا۔ وہ دونوں چلی گئیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خود ایک غریب الدیار آدمی کی طرح ایک سائے میں بیٹھ کر دعا کرنے لگے ''اے میرے پروردگار! جو خیر بھی تو مجھ پر نازل کردے میں اس کا محتاج ہوں۔'' (القصص:۲۴)

یہ دعا کرہی رہے تھے کہ جن دو لڑکیوں کے مویشیوں کو آپ نے پانی پلایا ان میں سے ایک پورے شرم وحیا کے ساتھ آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی ''میرے والد آپ کو بلا رہے ہیں تاکہ آپ نے ہمارے لئے جانوروں کو پانی جو پلایا ہے اس کا اجر آپ کو دیں۔'' (القصص:۲۵) جب حضرت موسیٰ علیہ السلام شیخ مدین کے پاس پہنچے اور اپنے تمام حالات کے بارے میں انہیں آگاہ کیا تو شیخ مدین نے آپ کو تسلی دی ''کچھ خوف نہ کرو، تم ظالم لوگوں سے بچ آئے ہو۔'' (القصص:۲۵)

اسی اثناء میں شیخ مدین کی ایک بیٹی بولی: ''اے ابا جان! ان کو نوکر رکھ لیجئے کیونکہ بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھیں وہ وہی ہوسکتا ہے جو توانا اور امانت دار ہو''۔ (القصص:۲۶) شیخ مدین کو اپنی بیٹی کی تجویز پسند آئی اور وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا اجیر رکھنے کے لئے تیار ہوگئے۔ اس سلسلے میں آپ سے شرائط ملازمت بیان کیں جس کا ذکر قرآن حکیم میں یوں آیا ہے: ''انھوں (شیخ مدین) نے (موسیٰ سے) کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنی ان دو بیٹیوں میں سے ایک کا نکاح تمہارے ساتھ کردوں اس (عہد) پر کہ تم آٹھ برس میرے ہاں ملازمت کرو اور اگر دس سال پورے کردو تو وہ تمہاری طرف سے (احسان) ہے''۔ (القصص:۲۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیخ مدین کی طرف سے بیان کردہ شرائط ملازمت کو قبول کرلیا اور فرمانے لگے: ''موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا، یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے پاگئی۔ ان دونوں مدتوں میں سے جو بھی مدت چاہوں پوری کردوں اس کے بعد پھر مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہو''۔ (القصص:۲۸)

عام طور پر اجیر بیروزگاری یا اپنی کمزور پوزیشن ہونے کی وجہ سے اجرت طے نہیں کرپاتا اور مستاجر بھی یقین دہانی کرواتا ہے کہ اجرت کے معاملے میں مایوس نہیں کیا جائے گا لیکن جب اجرت دی جاتی ہے تو اجیر کے نزدیک وہ ناقابل قبول ہوتی ہے جس سے کئی مسائل پیدا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ کام شروع کرنے سے قبل اجرت اور دیگر تفصیلات تحریری طور پر طے کی جائیں جیسا کہ شیخ مدین اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین تمام معاملات طے ہوئے۔ امام بیہقیؒ اپنی ''سنن الکبریٰ'' میں حضرت ابوسعید الخدریؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ اجیر کو اس کی اجرت طے کئے بغیر کام پر لگایا جائے''۔ نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہمارے معاشرے میں اکثر لوگ، ادارے اور کمپنیاں مضبوط عہد و پیمان باندھنے کے بعد بغیر کسی وجہ سے اپنے معاہدات سے منحرف ہوجاتی ہیں، جس کی وجہ سے معاشرے میں بداعتمادی کی فضا قائم ہوتی ہے۔ اس کے لئے ضروری یہ ہے کہ ہم طے پانے والے معاہدات اور قول وقرار میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات کو بھی بطور گواہ لائیں اور اپنے باہمی معاملات کو اس کے حوالے کریں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور شیخ مدین دونوں نے اپنے مابین ہونے والے معاہدے کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا۔ دونوں بولے: ''اور ہم جو قول وقرار کررہے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر گواہ ہے''۔ (سورہ القصص:۲۸)

اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ معاشرے کی دینی لحاظ سے تربیت ہو، انہیں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا احساس ہو، تاکہ قول و قرار اور معاہدات کو بہت بڑی بات سمجھیں ورنہ وہ جس طرح تحریری معاہدات کو خاطر میں نہیں لاتے اسی طرح معاملات میں اللہ تعالیٰ کی ذات بطور گواہ بنانے کی بات کو کچھ خاص اہمیت نہیں دیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دل میں عظمت کا نتیجہ ہی ہے کہ شیخ مدین نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے معاملہ طے کرتے ہوئے اس بات کی مکمل یقین دہانی بھی کروائی کہ میں تم سے تمہاری استطاعت سے زیادہ کام نہ لوں گا جیسا کہ شیخ مدین کے الفاظ قرآن میں نقل ہوئے ہیں: ''اور میں تم پر تکلیف ڈالنی نہیں چاہتا'' (القصص:۲۷)

حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے بھاگ کر ان کے ہاں آئے اور بظاہر مجبور تھے لیکن شیخ مدین نے پھر بھی ان کی مجبوری سے ناجائز فائدہ نہ اٹھایا۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ہمیں مزدور کے حق میں آسانی پیدا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ صحیح البخاری (کتاب الایمان) میں فرمان نبویؐ ہے: ''اور مزدوروں پر اتنا بوجھ نہ ڈالا کرو جو انہیں مغلوب کردے اور اگر ان پر زیادہ بوجھ ڈالو تو ان کی مدد و اعانت کرو''۔ یعنی وقت اور کام دونوں کے اعتبار سے مزدوروں پر اتنا بوجھ نہ ڈالا جائے، جن کی انجام دہی میں مزدوروں کو مشکل پیش آرہی ہو۔ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ کام نہ کرایا جائے بلکہ ایسی صورت میں آدمی ان کے کام میں خود بھی شریک ہوجائے جس کی اسلامی تاریخ میں کئی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سفر بیت المقدس میں آدھا سفر خود سواری کی اور آدھا سفر غلام کو اونٹ پر سوار کیا۔ اگر کوئی آدمی کسی وجہ سے ملازم کے کام میں خود شریک نہیں ہوسکتا تو زیادہ یا مشکل کام ہونے کی صورت میں اس کی مزدوری میں اضافہ یا دیگر سہولیات فراہم کرکے اس کی مدد کرے۔

دوسری طرف مزدور کی بھی ذمہ داری ہے کہ جو ذمہ داری اسے سونپی گئی ہے اسے پورے خلوص اور ایمانداری سے ادا کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''ناپ اور تول میں کمی کرنے والوں کے لئے خرابی ہے جو لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں اور جب ان کو ناپ کر یا تول کردیں تو کم دیں''۔ (المطففین:۱ تا ۳) اس آیت میں ایسا مزدور بھی شامل ہے جو مزدوری تو پوری لے لیکن اپنے فرائض کی انجام دہی میں پوری ذمہ داری کا ثبوت نہ دے۔ (صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر) کی حدیث نبویؐ میں جن تین آدمیوں کو دوہرا اجر ملنے کی نوید ہے ان میں سے ایک وہ ہے جو اپنے آقا اور اللہ تعالیٰ کے فرائض نہایت ذمہ داری سے انجام دے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شیخ مدین کے ساتھ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ آٹھ یا دس سال گزارے، ان سے کئے ہوئے معاہدے پر پورے اترے اور اسی طرح شیخ مدین نے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نہایت شفقت آمیز معاملہ کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اپنی بیٹی کو بیاہ دیا۔

آج کے دور کا المیہ یہ ہے کہ سرمایہ دار چاہتا ہے کہ مزدور سے زیادہ سے زیادہ کام لے اور اسے اجرت کم دے۔ دوسری طرف مزدور کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ کام تھوڑا کرے اور اجرت زیادہ حاصل کرے۔ اس طرح دونوں کی غلط سوچ نے جھگڑے اور فساد کو جنم دیا۔ جبکہ اسلام مستاجر اور اجیر دونوں کو ایک ضابطہ کے تحت عدل کی بنیاد پر مساوی رکھنا چاہتا ہے۔ اسلام یہ بھی چاہتا ہے کہ مستاجر اور اجیر آپس میں مہربانی اور باہمی خیرخواہی کے ساتھ معاملات کریں جیسا کہ حضرت موسیٰؑ اور شیخ مدین نے باہمی معاملات ایک دوسرے کی خواہی چاہتے ہوئے انجام دیئے۔ ●●

بقیہ: امریکہ کے چھ حصے اور پروفیسر پینارین

جریدے وال اسٹریٹ جرنل میں روسی فلاسفر آئیگورنکول وچ نے آئینڈریو اوسروبون کے مضمون میں لکھا تھا کہ ۲۰۱۰ء میں امریکہ کے چھ حصے کیلی فورنیا پبلک، سینٹرل نارتھ امریکہ، اٹلانٹک، ٹیکساس ری پبلک، ہوائی ریپبلک اور الاسکار یپبلک بن جائیں گے اور الاسکا واپس روس کو مل جائے گا۔ پروفیسر پینارین نے اظہار خیال کیا تھا کہ کیلی فورنیا تو چین کے شجر سایہ دار تلے ہمیشہ کے لئے محو استراحت ہوکر اس کا حصہ بن جائے گا یا پھر وہ چین کی اثر ورسوخ کو قبول کرے گا جب کہ سنٹرل نارتھ امریکن ریپبلک کینیڈا کی عملداری میں ہوگا اٹلانٹک یورپی یونین کے سایہ عافیت میں ہوگا۔ میکسیکو رپبلک اور ہوائی بالترتیب میکسیکو اور چین یا جاپان کا حصہ بنیں گے۔ پروفیسر پینارین روس کی خفیہ ایجنسیوں کے جی بی کے سابق افسر اور ماسکو فارن آفیئر زاکیڈمی کے ڈین ہیں۔ وہ دنیا میں برپا ہونے والے کئی نشیب وفراز پر گہری نظر رکھنے اور مستند پیشین گوئیاں کرنے والے ماہر مصنف ہیں۔ انہوں نے کتابوں تحقیقی مقالوں اور اخباری مضامین کے علاوہ امریکہ کے حصے بخرے ہونے کی پیشین گوئی ۱۹۹۸ء میں آسٹریلیا میں منعقد ہونے والی عالمی کانفرنس میں دلائل کے ساتھ کی تھی۔ اس کانفرنس میں دنیا بھر سے چار سو مندوبین شامل تھے۔ یہ وہ وقت تھا جب دنیا کے چپے چپے پر ڈالر کی کشش کا راج تھا۔ اس وقت پینارین کے فلسفے کو زیادہ پذیرائی نہ مل سکی مگر اب تاریخ کا دھارا ان کی پیش گوئی کو سچائی کا روپ دیتا نظر آتا ہے۔ دنیا میں آج بھی کئی ایسے ماہرین موجود ہیں جنہوں نے آسٹریلیا میں پینارین کی پیشین گوئی کا تمسخر اڑایا تھا اور اسے دیوانے کا خواب کہا تھا مگر آج وہی پینارین کی قابلیت کو سلیوٹ کررہے ہیں۔ اب سوال تو یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا واشنگٹن کا حکمراں ٹولہ پینارین کی حقیقت پسندانہ پیشین گوئی پر کان دھرنے کے لئے تیار ہے؟ کیا وہ تاریخ کے فیصلوں کی اتھارٹی تسلیم کرتے ہیں یا اپنی بداعمالیوں فتنہ گریوں اور استعمار پر نازاں رہ کر سب درست ہے کا راگ الاپتے ہیں؟ یہ فیصلہ کرنا وائٹ ہاؤس کا کام ہے۔ یوں میدان جم چکا ہے۔ ایک طرف تاریخ اور دوسری طرف وائٹ ہاؤس کے مہاراج۔ فتح کس کی ہوتی ہے یہ وقت بتائے گا مگر یہ بھی خیال رہے کہ تاریخ کبھی شکست نہیں کھایا کرتی۔ ●●

بقیہ: دیوارِ کمیونارڈز - پیرس

نت نئے خیالات و جذبات کے اظہار کا مرکز بن گئی۔ بعد ازاں جب فرانس میں فرنچ کمیونسٹ پارٹی نے قوت حاصل کرنی شروع کی تو حکومت نے اس کے خلاف فی الفور ایکشن لیا۔ درحقیقت اس تحریک نے فرانس کی شہنشاہیت کو چیلنج کرنا شروع کردیا تھا۔ اس وقت کے فرانسیسی بادشاہ اور اس کے وزراء نے اس حقیقت کا ادراک کرلیا تھا کہ اگر اس وقت اس تحریک کے خلاف کوئی غیر معمولی اقدام نہ کیا گیا تو آنے والے وقت میں فرانس سے شہنشاہیت کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوجائے گا۔ کمیونسٹوں کو اپنی تحریک اور اس کی کامیابی کا غیر متزلزل یقین تھا۔ فرانس کی دم توڑتی شہنشاہیت نے بھی ان کمیونسٹوں کے آگے جلد ہار نہیں مانی بلکہ اپنے تمام وسائل اور ذرائع اس تحریک کو کچلنے پر صرف کرڈالے جس میں بادشاہ کو کامیابی بھی حاصل ہوئی۔ بادشاہ نے پہلے مرحلے میں فرانس کے چوٹی کے کمیونسٹ رہنماؤں کو گرفتار کیا اور بعد ازاں انہیں شہنشاہیت کے خلاف عوام کو ورغلانے کے الزام میں ہلاک کردیا گیا۔ ان کمیونسٹ رہنماؤں کو قبرستان کی دیوار کے نزدیک ہی دفنایا گیا۔ اس طرح پیری لیچائسی قبرستان کی یہ دیوار فرنچ کمیونسٹ پارٹی لیڈروں اور سرگرم کارکنوں کی جائے تدفین بن گئی۔

کمیونسٹ لیڈروں کی ہلاکتوں کے ساتھ ہی فرانس بھر میں کمیونسٹوں کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کردیا گیا۔

پورے فرانس میں بڑے پیمانے پر کمیونسٹوں کی گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ بعض مقامات پر حکومت کا کمیونسٹوں سے زبردست تصادم بھی ہوا جس کے نتیجے میں اندازاً ۲۰ر تا ۳۵ ہزار کمیونسٹ ہلاک ہوگئے۔ ۴۳ ہزار کمیونسٹوں کو گرفتار کرلیا گیا۔ ان گرفتار کمیونسٹوں پر فوجی عدالت میں مقدمہ چلایا گیا جہاں ان میں سے سیکڑوں افراد کو موت کی سزا سنائی گئی۔ تیرہ ہزار کمیونسٹوں کو قید بامشقت کی سزا دی گئی جبکہ چار ہزار کمیونسٹوں کو نیو کیلیڈونیا شہر بدر کردیا گیا جہاں ان کمیونسٹوں کا سب سے زیادہ زور تھا۔

۲۳ر مئی ۱۸۸۰ء کو ایک مقامی کمیونسٹ رہنما جولس گویسیڈ کی قیادت میں پچیس ہزار افراد نے فرانس کی شاہراہوں پر زبردست مظاہرہ کیا۔ یہ مظاہرہ بظاہر تو پرامن تھا لیکن مظاہرین نے فرانس میں کمیونسٹ نظریے کی حمایت اور شہنشاہیت کے خلاف اپنے ردعمل کو ظاہر کرنے کے لئے اپنی قمیص کے بٹن میں سرخ گلاب پرویا ہوا تھا۔ اس دوران فرانس بھر میں پولیس فورس کو الرٹ کردیا گیا۔ ایک موقع پر مظاہرین اور پولیس فورس ایک دوسرے کے مدمقابل آگئے۔ مظاہرین نے حکومت کے خلاف زبردست نعرے بازی کی۔ پولیس فورس نے اس موقع پر تحمل کا مظاہرہ کیا، یوں کوئی بدمزگی نہ ہوسکی۔ یہ مظاہرین پیرس کی شاہراہوں پر مارچ کرتے ہوئے پیری لیچائسی قبرستان تک پہنچے، جہاں بہت سے کمیونسٹ اپنے جذبات پر قابو نہ رکھ سکے اور اس دیوار پر چڑھ گئے جس کے دامن میں کمیونسٹ لیڈر اور کارکنوں کی قبریں تھیں۔

یہاں فرنچ کمیونسٹ پارٹی نے طے کیا کہ اب وہ ہر سال مقررہ تاریخ پر مظاہرہ کرتے ہوئے قبرستان پہنچیں گے اور اپنے کمیونسٹ رہنماؤں اور کارکنوں کو خراج عقیدت پیش کریں گے جنھوں نے اپنے نظریے کی حمایت میں اپنی جانیں نچھاور کردیں۔

دوسری جانب فرانس کی مزدور تحریک نے بتدریج ملک بھر میں قوت پکڑنی شروع کردی۔ اس تحریک کو پس پردہ فرانس کے سوشلسٹوں، کمیونسٹوں، مقامی مزدور انجمنوں اور انارکی پسند قوتوں نے تقویت بہم پہنچائی۔ چنانچہ ۲۴ر مئی ۱۹۳۶ء کو فرانسیسی تاریخ کا سب سے بڑا اور یادگار مظاہرہ ہوا جس میں چھ لاکھ افراد نے بھرپور شرکت کرکے اسے تاریخی بنادیا۔ اس مظاہرے کی قیادت کمیونسٹ مزدور رہنما لیون بلم اور میورس تھوریز نے کی۔ بعد ازاں یہ احتجاجی تحریک پاپولر فرنٹ میں تبدیل ہوگئی جس نے فرانس کی سیاست وقیادت کا رخ تبدیل کردیا۔ آج پیرس میں موجود پیری لیچائسی قبرستان کی دیوار ''کمیونارڈز'' کمیونسٹوں کو ان کی تحریک کی یاد دلاتی ہے۔ ان کمیونسٹوں کی غیر معمولی جدوجہد نے بالآخر انقلاب فرانس کا راستہ ہموار کردیا تھا۔ ●●

دہشت گردی کا مقابلہ یا......

اقبال احمد انجینئر، حیدرآباد

دہشت گردی کو انتخابی موضوع بنانے کی کوشش بی جے پی نے شروع کی تھی۔ اسے یہ خیال تھا کہ اس عنوان سے ووٹوں کو متحد کرنا بڑا آسان ہوگا۔ اس کا تجربہ بھی اسے تھا۔ ۲۰۰۴ء کے انتخابات میں کانگریس اس موضوع پر خاطر خواہ جواب نہ دے سکی اور گجرات میں نرم ہندتو کو اپناتے ہوئے عوام کے سامنے آئی۔ کانگریس اس قدر گھبرائی ہوئی تھی کہ نریندر مودی کی ریاست گجرات میں انتخابی جلسوں کو مخاطب کرنے کیلئے اس نے کسی کانگریسی مسلم لیڈر کو بھی ساتھ رکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ نریندر مودی نے پاکستان کا خوف دلاکر اور خود کو اکیلا دہشت گردی سے مقابلہ کرنے والا بہادر ثابت کیا۔ حالانکہ انتخابات سے قبل گجرات میں مسلم کش فسادات کے ذمہ داروں کو بھی ویڈیو میں دکھایا گیا۔ انکاؤنٹر کے نام پر مسلم دشمنی کے واقعات بھی سامنے آئے اور اس کو میڈیا نے بہت اچھالا مگر بی جے پی اس تمام تشہیر کو دہشت گردی کا فیصلہ کن جواب ثابت کرنے میں زیادہ کامیاب ہوئی۔ کانگریس کو نامراد ہونا پڑا۔ دہشت گردی کا جو ہوا کھڑا کیا جارہا ہے اور دنیا میں جو پیغام دیا جارہا ہے اس کا نشانہ اسلام اور مسلمان ہیں اور یہ زہر گھولنے میں سنگھ پریوار کو کم ازکم سو سال کا تجربہ ہے یعنی ۱۹۰۲ء میں جب ہندتو کے لئے ساورکر نے کتاب لکھی تھی اور ہندو راجیہ کی بات کی تھی۔ اس صدی میں اس نے تعلیمی، سماجی میدان میں بہت کام کیا ہے اور گجرات اس کی تجربہ گاہ ہے۔ بی جے پی ایک نظریاتی جماعت ہے اسے دہشت گردی کے نام سے بہترین موضوع ملا ہے۔ سنگھ پریوار نے اسے استعمال کرنے کا ارادہ بنالیا تھا۔ اب کی بار کانگریس نے اس موضوع کو بھی بی جے پی سے چھیننے کا بندوبست کرلیا ہے۔ دہشت گردی کے موضوع کو انتخابی موضوع بنانے میں کانگریس نے کامیاب کوشش کی ہے۔ ہندوستانی میڈیا نے ان خبروں کو ایسی اہمیت دی جیسے کہ خطرہ سر پر ہے اور کانگریس نے اس کا بھرپور فائدہ اٹھایا۔ میڈیا کا رول اہم ہوگیا ہے۔

انتخابات سے قبل ۲۶/۱۱ کے ممبئی حملے نے کانگریس کے لئے جیسے بہترین موقع فراہم کردیا۔ پاکستان سے دراندازی اور پہلی مرتبہ سمندری راستے کا استعمال یو پی اے حکومت کے لئے انتخابات میں بڑا فائدہ مند ثابت ہوسکتا تھا۔ اس واقعے کی تشہیر اور اس کو سیاسی دباؤ کے لئے استعمال کرنے میں کانگریس نے سنجیدہ منصوبہ بندی کی۔ ایک سنہرا موقع ہاتھ آیا تھا اس لئے ہندوستان نے پاکستان پر سیاسی دباؤ بنانا شروع کردیا۔ ہندوستان کو فائدہ اس لئے بھی تھا کہ پاکستان میں سویلین حکومت اقتدار میں ہے اور فوج کا رول کھل کر سامنے نہیں آسکتا۔ آصف علی زرداری امریکہ کے ہاتھوں میں ناچ رہے ہیں۔ یہ وقت ہندوستان کے لئے سیاسی فائدہ اٹھانے کا ہے۔ امریکہ اور یورپ بھی پاکستان کے خلاف سرگرم ہیں۔ ہندوستان کا دباؤ اتنا پڑا کہ پہلی مرتبہ پاکستان نے قبول کیا کہ حملہ آور پاکستان کے ہیں اور ہندوستان سے اس نے ثبوت مانگے۔ پاکستان کی یہ قبولیت یو پی اے حکومت کی سب سے بڑی کامیابی ہے۔ کانگریس نے یہی کیا۔ اس نے عوام کے سامنے اپنی کامیابی کی دلیلیں دینی شروع کیں۔ اپنی خارجہ پالیسی کی کامیابی کے دعوے کئے جبکہ آڈوانی جی کے سامنے دہشت گردی کا عنوان ہے، اس سے مقابلے کیلئے نریندر مودی کی شخصیت ہے لیکن این ڈی اے حکومت کا کوئی کارنامہ موجود نہیں ہے۔ بل کلنٹن کے دورۂ ہند سے قبل کشمیر میں سکھوں کا قتل عام معمہ بن گیا۔ پارلیمنٹ پر حملہ اور اس کے ذمہ داروں کی ہلاکت بھی تحقیقی اداروں کیلئے مسئلہ بنی ہوئی ہے اور سب سے بڑی مثال قندھار ہائی جیک میں اظہر مسعود کو چھوڑنے کیلئے خود جسونت سنگھ کا تشریف لے جانا ہے۔ آڈوانی جی دہشت گردی کے مقابلے میں اپنے آپ کو کامیاب نہیں ثابت کرسکے جبکہ کانگریس نے یو پی اے سرکار کو انتہائی کامیاب ثابت کردیا ہے۔

کانگریس اور بی جے پی دونوں ایک دوسرے کو الزام دے رہے ہیں کہ وہ دہشت گردی سے نمٹنے میں ناکام رہے۔ دہشت گردی کے اس موضوع پر کانگریس اور بی جے پی دونوں کے مقابلے میں ایک بات کھل کر سامنے آگئی جب آڈوانی جی نے بنگال میں نوجوان نسل کی تعریف میں راہل کا بھی نام لیا اور زور دے کر کہا کہ تیسرے یا چوتھے فرنٹ کا دعویٰ محض خواب ہے اس لئے بایاں بازو کو ہٹانا چاہئے۔ انھوں نے یہ بھی صاف صاف کہا کہ مرکز میں جو بھی سرکار بنے گی یا تو وہ کانگریس کی قیادت میں بنے گی یا بی جے پی کی قیادت میں یعنی دو جماعتی سیاسی نظام ہی اس ملک کا مستقبل ہے۔ یہ طرز فکر وہ ہے جو علاقائی جماعتوں کی اہمیت کو ختم کرتا ہوا بایاں بازو کو بے اثر کرتا ہے تاکہ امریکہ اور اسرائیل سے تعلقات کو مزید مستحکم کیا جاسکے۔ ●●

بقیہ: انگلیوں کے نشانات

ساتھ ساتھ یہ سائز میں بڑے ہوتے جاتے ہیں۔

بچے میں یہ اُبھار حمل کے تیسرے اور چوتھے مہینے کے درمیان اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب برادمہ نیچے موجود ادمی اُبھاروں کے خدوخال کے موافق ہوجاتی ہے۔ ان اُبھاروں کا کبھی بھی نہ تبدیل ہونے کی خاصیت ہر انسان کی انفرادی پہچان کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ چونکہ پسینوں کے غدود کی نالیاں براہ راست اُبھاروں کی چوٹیوں پر کھلتی ہیں۔ اسی لئے جب کسی ہموار چیز کو چھوا جاتا ہے تو اسی پر انگلیوں (یا پاؤں) کے نشانات ثبت ہوجاتے ہیں۔

جدید سائنس نے حال ہی میں انکشاف کیا ہے کہ جرائم کی تحقیقات میں پولیس کو بہت جلد انگلیوں کے نشانات سے لوگوں کے طرز زندگی کے بارے میں بھی اہم معلومات حاصل ہوسکیں گی جن کی مدد سے انہیں مجرم تک پہنچنے میں بہت مدد ملے گی۔ برطانیہ میں ہونے والی ایک تحقیق سے ایسے امکانات پیدا ہوئے ہیں جن سے سگریٹ نوشی منشیات کے استعمال یا انگلیوں کے نشانات میں عمر کے ساتھ رونما ہونے والی تبدیلیوں کا پتا چلایا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر جکیلو کا کہنا ہے کہ جب انسان کسی چیز کو چھوتے ہیں تو کچھ نامیاتی مرکبات انگلیوں کے پوروں سے اس چیز پر لگ جاتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ انگلیوں کے پوروں میں بہت سے نامیاتی مرکبات پائے جاتے ہیں اور یہ بہت سے امکانات کو جنم دیتے ہیں۔ اس طرح کا ایک نامیاتی مرکب جس سے کولیسٹرول بھی بنتا ہے انسانی پوروں میں بڑی تعداد میں پایا جاتا ہے۔ یہ مرکب جسے سکیولین کہا جاتا ہے انسانی ہاتھ سے مس ہونے والی چیز پر رہ جاتا ہے۔ اس کا روایتی طریقے یا انسانی آنکھ سے پتا لگانا ناممکن ہے۔

ڈاکٹر جکیلو کے مطابق بالغوں، بچوں اور عمر رسیدہ لوگوں کی انگلیوں سے مختلف نوعیت کے نامیاتی مرکبات چیزوں پر لگتے ہیں۔ اس کے علاوہ منشیات کا استعمال کرنے والوں کی انگلیوں کے پوروں سے جو نامیاتی مرکبات چیزوں پر لگتے ہیں اس میں ان نشہ آور اشیاء کے اثرات بھی پائے جاتے ہیں جو وہ استعمال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مندرجہ بالا آیت میں ان لوگوں کو جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ وہ نہ صرف ہماری ہڈیوں کو دوبارہ بالکل اس طرح جوڑ دے گا جیسا کہ وہ پہلے تھیں بلکہ ان کی انگلیوں کے پوروں کے نشانات بھی بالکل ویسے ہی ہوں گے جیسا کہ پہلے تھے۔ قرآن یہاں پر انسانوں کی شناخت کے حوالے سے انگلیوں کے نشانات کو کیوں اہمیت دے رہا ہے جب کہ ۱۸۸۰ء سے پہلے انگلیوں کے نشانات کے ذریعہ کسی انسان کی انفرادیت یا شناخت کا تصور بھی نہیں پایا جاتا تھا۔ چنانچہ اربوں کھربوں انسانوں کی ہلاکت کے بعد قیامت کے دن دوبارہ ان کو زندہ کرنا جب کہ ان کی ہڈیاں ریزہ ریزہ اور جسم گل سڑ چکے ہوں گے۔ دوبارہ اسی شکل وصورت میں پیدا کرنا بلکہ انگلیوں کے پور پور تک کا اسی پہلی بناوٹ میں ہونا، اللہ تعالیٰ کی عظمت وبڑائی کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے۔

چنانچہ یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی انگلیوں کی لکیروں میں جو راز پنہاں رکھا ہے وہ اس کی قدرت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو بے مثال انجینئرنگ اور ڈیزائننگ صرف چند مربع سینٹی میٹر کے رقبے میں کی ہے کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے بلکہ انسان اس بات کا تصور بھی نہیں کرسکتا کہ اتنی چھوٹی سی جگہ کے اندر اربوں، کھربوں نمونے تیار کئے جاسکتے ہیں۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ ۱۴۰۰ سال پہلے وہ کون سی ہستی تھی کہ جس کو پتہ تھا کہ تمام انسانوں کے ہاتھوں کے نشانات مختلف ہیں اور ان کی وجہ سے کسی انسان کی شناخت ممکن ہے تو جواب ملے گا کہ سوائے اللہ رب العزت کی ذات کے کوئی اس بات کو نہیں جانتا کیوں کہ وہی ہمارا خالق ہے اور وہی جانتا ہے کہ انسان کی پیدائش کس طرح ہوئی۔ ●●

۶۵ فیصد بچوں کی زندگی خراب ہونے کا ذمہ دار کون ہے؟

مدھیہ پردیش بورڈ آف سیکنڈری ایجوکیشن کے دسویں کلاس کے امتحان میں اس سال ۷۲۹۳۸۸ طلباء و طالبات شریک ہوئے جن میں سے ۳۵ فیصد یعنی صرف ۲۵۵۲۸۵ طلبا وطالبات پاس یا کامیاب ہوئے جبکہ ۶۵ فیصد یعنی ۴۷۴۱۰۲ فیل ہوگئے۔ اب فیل ہونے والے بچے خودکشی کررہے ہیں جو خودکشی نہیں کریں گے یقیناً وہ زندگی کی دوڑ کے اس ابتدائی مرحلے میں ہی ناکامی سے دوچار ہوکر بیٹھ رہیں گے یعنی ان کی زندگیاں خراب ہوگئیں کیونکہ حکمرانوں اور حکام کو دیس بھکتی اور ہندوتوواد کے نعرے لگانے سے ہی فرصت نہیں ہے۔ وہ جمہوریت اور عوامی حکومت کے نعرے لگانے کو کافی قرار دیتے ہیں جنھیں ملک میں آگ لگانا، انسانوں کا قتل عام کرنا دھرم نظر آتا ہے انہیں پانچ لاکھ ہونہار بچوں کی جو قوم کا مستقبل ہوتے ہیں زندگیاں برباد کرنے میں کیا تکلف ہوسکتا ہے۔ انہیں صرف دوسروں کو ذلیل کرنے، ان پر ظلم وستم ڈھانے اور انہیں نیچا دکھانے ہی کو اپنی کامیابی، ہندوتوواد کی سرخروئی اور انڈیا شائننگ وفیل گڈ نظر آتا ہے۔

چنانچہ مدھیہ پردیش کے اسکولوں میں چالیس ہزار سے زیادہ ٹیچروں کی جگہیں خالی پڑی ہیں انہیں بھرنے کی انہیں فرصت نہیں ہے جبکہ اسمبلی اور پارلیمنٹ کے الیکشن میں ٹیچروں کو لگادیئے جانے سے بھی بچوں کا تعلیمی نقصان ہوتا ہے۔ بی جے پی کے وزیر اعلیٰ شیوراج سنگھ چوہان، ان کی منڈلی اور سارا سنگھ پریوار پراچین سبھیتا سنسکرتی اور ہندتو کو فروغ دینے کے لئے سوریہ نمسکار جیسے شوشے چھوڑ کر تنازعات پیدا کرتا رہا۔ لوگوں کو غیر ضروری بحثوں میں الجھائے رکھا اور ٹیچروں کی توجہ تعلیم پر مرکوز رکھنے کی بجائے ان کا وقت ضائع کیا گیا۔ جو بچے کامیاب ہوگئے ظاہر ہے وہ بہت محنتی اور ہوشیار ہی رہے ہوں گے جنھوں نے اسکولوں اور ٹیچروں سے مایوس ہوکر ٹیوشن اور ہوم ورک پر زیادہ زور دیا ہوگا۔ جبکہ اگر اسکولوں میں ٹیچر مطلوبہ تعداد میں ہوتے، طلباء اور ٹیچروں کی ساری توجہ تعلیم وتدریس پر مرکوز رہتی۔ ان کا وقت غیر ضروری بحثوں اور سرگرمیوں میں ضائع نہ کیا جاتا تو یقیناً پاس ہونے والے بچے بھی مزید اچھے نمبروں سے پاس ہوتے، وہ اچھی ڈویژن اور امتیازی حیثیت سے کامیاب ہوتے۔ جو بچے فیل اور ناکام ہوگئے ہیں وہ بھی پاس اور کامیاب ہوجاتے کہ تعلیم ان کا حق ہے۔ وہ ان کو حاصل ہوجاتا۔ جو بالکل ہی بدھو، کام چور اور تعلیم سے غافل و بیزار ہوتے صرف وہی فیل اور ناکام ہوتے، ظاہر ہے ایسے بچے صرف چند فیصد ہوتے ہیں۔ ۶۵ فیصد تو ہرگز نہیں ہوتے سوائے سات لاکھ میں سے پونے پانچ لاکھ کی زندگیاں خراب کرنے والے نئی نسل کے ان ہونہاروں کے دشمن اور قاتل تو وزیر اعلیٰ، وزیر تعلیم، ان کی منڈلی، سنگھ پریوار اور محکمہ کے حکام وافسران ہیں جو ٹیچروں کو ان کے فرائض ادائیگی پر متوجہ نہیں رکھ سکے جنھوں نے چالیس ہزار سے زیادہ ٹیچروں کی خالی جگہیں پر نہیں کیں۔ جنھوں نے ٹیچروں کی کارکردگی پر نظر نہیں رکھی۔ اسکولوں میں جاکر معائنہ نہیں کیا، کبھی ٹیچروں اور اسکولوں کے ذمے داروں کو تنبیہ نہیں کی کہ جس ٹیچر کے سبجیکٹ میں یا جس اسکول کے کل بچوں میں ایک مقررہ حد سے زیادہ بچے فیل ہوں گے ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ بچوں کی زندگیاں خراب ہوگئیں۔ مگر حکمراں، حکام، اسکولوں کی انتظامیہ اور ٹیچرس مزے میں ہیں۔ بچے خودکشی کررہے ہیں، ان کے اعزا مرثیہ وماتم کررہے ہیں۔ سیاست کرنے والے اپنی سیاست کررہے ہیں۔ کیا اسی طرح ملک ترقی کرے گا کیا اسی طرح انڈیا شائننگ اور گڈ فیل ہوگا؟ کوئی ہے ان سوالوں کے جوابات دینے اور تلاش کرنے والا؟ ●●

پوپ کی فلسطین کے مفتی اعظم سے ملاقات

یروشلم۔ عیسائیوں کے سب سے بڑے مذہبی رہنما پوپ بینڈکٹ شانزدہم نے یہاں گنبد صخریٰ کا دورہ کیا اور یہودیوں کے سب سے متبرک مقام دیوار گریہ کے پاس دعا کی۔ پوپ بینڈکٹ نے فلسطین کے مفتی اعظم محمد حسین کے علاوہ یہودیوں کے دو بڑے مذہبی رہنماؤں سے ملاقات کی۔ ویٹی کن کی طرف سے جاری کردہ بیان کے مطابق پوپ نے اپنی دعا میں کہا کہ: ”اے اللہ اس مقدس سرزمین پر، مشرق وسطیٰ اور پوری انسانیت پر اپنی رحمت نازل کر“۔ دریں اثناء کئی یہودی رہنماؤں نے اس بات کے لئے پوپ بینڈکٹ کی سخت نکتہ چینی کی ہے کہ انھوں نے ہٹلر کے ذریعے یہودیوں کی نسل کشی کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہا۔ دوسری جانب نازی جرمنی میں یہودیوں پر مظالم سے متعلق اسرائیل کے ’یدوشیم میوزیم‘ کے چیئرمین نے پوپ بینڈکٹ کی تقریر پر مایوسی کا اظہار کیا ہے جس میں عیسائیوں کے روحانی رہنما نے یہودیوں اور کیتھولک چرچ کے درمیان کشیدگی کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔ یدوشیم کونسل کے چیئرمین ربی اسرائیل میرلاؤ نے پوپ کے دورے کے پہلے دن اسرائیلی ٹیلی ویژن چینل کو بتایا کہ پوپ نے اپنی تقریر میں کہیں معذرت کے دو الفاظ نہیں کہے۔

افغانستان: امریکی کمانڈر تبدیل

واشنگٹن۔ امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے افغانستان میں اعلیٰ ترین امریکی کمانڈر جنرل ڈیوڈ میکرنن کو یہ کہہ کر سبکدوش کردیا ہے کہ طالبان کے خلاف جنگ کے لئے نئی سوچ کی ضرورت ہے۔ جنرل میکرنن نے تقریباً ایک سال تک وہاں امریکی اور ناٹو افواج کی قیادت کی۔ ان کی جگہ جنرل اسٹینلے میک کرسٹل کو افغانستان میں امریکی فوج کی کمان سونپی گئی ہے۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں اس جنگ کی سمجھ بوجھ زیادہ ہے۔ یہ فیصلہ ایسے وقت کیا گیا ہے جب امریکہ افغانستان میں اپنی فوجی قوت میں اضافہ اور حکمت عملی میں تبدیلی کررہا ہے۔ جنرل میکرنن کے عرصہ قیادت میں افغانستان میں تشدد میں اضافہ دیکھنے میں آیا۔ ان کے جانشین جنرل میک کرسٹل اس وقت امریکی جوائنٹ چیفس آف اسٹاف میں ڈائرکٹر ہیں اور وہ اس سے پہلے اسپیشل آپریشن فورسز کے ڈائرکٹر رہے ہیں۔ جنرل ڈیوڈ میکرنن کی سبکدوشی کا اعلان کرتے ہوئے امریکی وزیر دفاع رابرٹ گیٹس نے کہا کہ نئی حکمت عملی اور نئے سفیر کے ساتھ نئی فوجی قیادت کی بھی ضرورت ہے۔ انھوں نے کہا کہ اس فیصلے کے لئے یہ صحیح وقت ہے۔ سے وہاں موجود ان کے حریفوں کو تو کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن عام زندگی ضرور درہم برہم ہوجاتی ہے اور لوگوں کو اس سے بڑی پریشانی اٹھانی پڑرہی ہے۔ ●●

اسرائیلی پالیسیوں میں بنیادی تبدیلی ناگزیر

اقوام متحدہ۔ اقوام متحدہ کے سکریٹری جنرل بان کی مون نے اسرائیل سے کہا ہے کہ وہ اپنی پالیسیوں میں بنیادی تبدیلیاں لائے اور اسرائیل۔ فلسطین تنازع پر دوقومی نظریے کی پابندی کرے۔ بان کی مون نے خلیجی ممالک کے معاملے پر سلامتی کونسل کی وزارتی سطح کی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے فلسطین سے بھی اسرائیل پر راکٹ حملے بند کرنے کو کہا ہے۔ انھوں نے کہا کہ فلسطینی سرکار کو ایک مؤثر سیکوریٹی ڈھانچہ اور سرکاری اداروں کو قائم کرنا چاہئے۔ سلامتی کونسل کے موجودہ صدر روس کی جانب سے بلائی گئی اس میٹنگ کا اسرائیل نے بائیکاٹ کیا۔ میٹنگ میں تمام ممالک نے دوقومی نظریے سے اتفاق کیا۔ بان کی مون نے کہا کہ فلسطینی اب بھی مشرقی یروشلم اور غرب اردن پر اسرائیل کی یکطرفہ کارروائی جھیل رہے ہیں۔ بان کی مون نے کہا کہ یروشلم، سرحدوں اور پناہ گزینوں جیسے امور پر بات چیت کے عمل کو آگے بڑھانے سے ہی دوقومی نظریے پر اسرائیل کا عزم ثابت ہوگا۔ انھوں نے کہا کہ غزہ پٹی سے اسرائیل پر جو راکٹ پھینکے جاتے ہیں وہ غیر ضروری ہونے کے ساتھ ساتھ جوابی کارروائی کی دعوت دیتے ہیں۔

سکریٹری جنرل بان کی مون نے یہ بھی کہا کہ اسرائیل کو غزہ پٹی کے خلاف ضرورت سے زیادہ طاقت استعمال نہیں کرنی چاہئے جیسا کہ اس نے حالیہ دسمبر اور جنوری کے حملوں کے دوران کیا تھا۔ انھوں نے کہا کہ اسرائیل کی جانب سے غزہ پٹی کے راستوں کی ناکہ بندی کرنے

سفید فاسفورس کے استعمال کے ۴۴ معاملات درج

کابل۔ امریکی فوج نے کہا ہے کہ اس نے مبینہ طور پر افغان انتہا پسندوں کے ذریعے سفید فاسفورس سے بنے دھماکہ خیز مادہ رکھنے اور استعمال کرنے کے ۴۴ معاملات درج کئے ہیں۔ امریکہ اور ناٹو فوج نے تسلیم کیا ہے کہ وہ فاسفورس کا استعمال دھوئیں کے بادل بنانے اور میدان جنگ کو دھندلا کرنے کیلئے کرتے ہیں۔ لیکن انھوں نے دانستہ طور پر لوگوں پر اس کے استعمال سے انکار کیا۔ امریکہ کے فوجی ترجمان کرنل گریگ جولین نے کہا کہ انتہا پسند ہتھیار کے طور پر عام لوگوں کے خلاف سفید فاسفورس کا استعمال کررہے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہم جنگ کے قانون پر عمل کرتے ہیں لیکن انتہا پسند ان کی خلاف ورزی کرتے رہے ہیں۔ واضح رہے کہ گزشتہ ہفتہ افغانستان میں امریکی فوجی ڈاکٹروں نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ انھوں نے فاسفورس سے زخمی ایک آٹھ سالہ بچے کا علاج کیا تھا۔ دریں اثناء افغانستان کا حقوق انسانی کمیشن مغربی صوبہ فرح کے دو گاؤں میں امریکی فضائی حملے کے دوران فاسفورس بم استعمال کئے جانے کے الزامات کی انکوائری کررہا ہے۔

ایک ملزم کا مطالبہ

جے پور۔ پیچیدہ مسئلے کو سلجھانے کیلئے اب تک پولیس ہی ملزمین کا نارکو ٹیسٹ کراتی رہی ہے لیکن اب جے پور بم دھماکے کے کلیدی ملزم شہباز حسین نے اپنا نارکو ٹیسٹ کرانے کے لئے عدالت میں اپیل کی ہے۔ اس طرح کا یہ پہلا معاملہ ہوگا۔

بلاتبصرہ

آج کے سیاستداں جس طرح تمام شرم وحیا اور شائستگی کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے کے دامن کو تار تار کررہے ہیں اور الیکشن کمیشن کے تمام جتن کرنے کے باوجود جس طرح قوت بازو اور پیسے کی طاقت کو بروئے کار لایا جارہا ہے، حیرت ہوتی ہے کہ کیا ہم ایک جمہوری نظام کے تحت جی رہے ہیں؟ کیا ہم اس کے مستحق ہیں؟ انتخابی مہم اپنی پستی کی انتہا کو پہنچ چکی ہے، سیاستدانوں کا تمام وقت اور توانائیاں جھوٹے وعدے کرنے اور اپنے ان جھوٹے وعدوں کو خوشنما بناکر پیش کرنے پر صرف ہورہی ہیں۔ وہ اپنے غلط افعال کے لئے جواز پیش کرنے کی جی توڑ کوششوں میں بھی مصروف نظر آتے ہیں۔

کے۔ آر۔ اے نرسیا، چنئی

ہندو، ۱۲ر مئی ۲۰۰۹ء

◎

مرکز جماعت اسلامی ہند میں امیر جماعت مولانا سید جلال الدین عمری کی صدارت میں ۶ر مئی کو ذمہ داران جماعت کی ماہانہ نشست منعقد ہوئی جس میں مختلف شعبہ جات کی ماہ اپریل ۲۰۰۹ء کی مختصر روداد پیش کی گئی۔ مرکز میں ۳۱ر مارچ تا ۳ر اپریل مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس ہوا جس میں جماعت کی ایک سالہ کارگزاری کا جائزہ لیا گیا اور سالانہ بجٹ منظور کیا گیا۔ ۱۲ر اپریل کو جماعت اسلامی علاقہ جنوبی دہلی کے اجتماع شاہین باغ میں قیم جماعت جناب نصرت علی نے خطاب عام میں جماعت کا نصب العین اور اس کی خدمات کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ ۳ر اپریل کو ایس آئی او کے ویب سائٹ کا احیاء ہوا، جو تقریباً دو سال سے متاثر تھا۔ قیم جماعت نے رسم احیاء کے اس موقع پر ذرائع ابلاغ اور تحریک کے لئے اس کی افادیت وضرورت کے موضوع پر خطاب بھی فرمایا۔ جناب نصرت علی نے بھوپال میں حلقہ مدھیہ پردیش اور چھتیس گڑھ کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کی اور نو تشکیل شدہ حلقہ چھتیس گڑھ کے امیر حلقہ کے لئے مشورہ کیا۔ بعد میں جناب شفیق احمد صاحب کو چھتیس گڑھ کا امیر حلقہ مقرر کیا گیا۔ امیر جماعت مولانا سید جلال الدین عمری نے خلد آباد مہاراشٹر میں الفرقان اسکول کے سالانہ جلسے میں شرکت کی اور خطاب کیا۔ بعد میں اورنگ آباد کے متوسلین جماعت سے بھی مولانا عمری نے خطاب فرمایا۔

شعبۂ دعوت کے سکریٹری جناب محمد اقبال ملا کی دعوت پر معروف سماجی تنظیم ’بامسیف‘ (بورکر گروپ) کے چار نمائندے مرکز تشریف لائے، جہاں مرکز کے ذمہ داران کے ساتھ ان کی طویل نشست اور باہمی دلچسپی کے موضوعات پر گفتگو رہی۔ آخر میں امیر جماعت نے اسلام کا تعارف پیش کیا اور جماعت کے کاموں کا تذکرہ فرمایا۔ سکریٹری شعبۂ دعوت نے ہندی کی ایک معروف خاتون صحافی اور ایک بودھ رہنما سے ملاقات اور تفصیلی گفتگو کے ساتھ ہی انہیں اسلامی لٹریچر پیش کیا۔ اسی طرح موصوف نے متعدد ہدایت یافتہ بھائیوں اور بہنوں سے ملاقاتیں کیں اور ان کے مسائل کے حل کے لئے ضروری مشورے دیئے۔ مرکز میں شعبہ کی جانب سے تبدیلیٔ مذہب اور ملکی قانون کے موضوع پر مذاکرہ کا اہتمام کیا گیا جس میں مختلف ذمے داران نے شرکت کی اور گفتگو میں حصہ لیا۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی علیہ الرحمہ کے کتابچہ ”اسلام کا نظام حیات“ کا منی پوری زبان میں ترجمہ شائع کروایا گیا۔ جناب محمد اقبال ملا اور اسسٹنٹ سکریٹری جماعت جناب انتظار نعیم نے ایک این جی او کے زیر اہتمام غالب اکیڈمی، نئی دہلی میں ’دختر کشی‘ کے موضوع پر منعقدہ پروگرام میں جماعت کی نمائندگی کی۔ جناب اقبال ملا نے خطاب کیا اور موضوع پر اسلام کا نقطۂ نظر اور اس قبیح رسم کے خاتمے میں اسلام کے تاریخی کردار پر روشنی ڈالی۔ جناب انتظار نعیم نے موضوع سے متعلق اپنی معروف نظم ’التجا‘ پیش کی، جس پر غیر مسلم مقرر حضرات اور سامعین نے غیر معمولی تحسین کا اظہار کیا۔ سکریٹری شعبۂ اسلامی معاشرہ مولانا محمد رفیق قاسمی نے یوپی میں مظفر نگر اور شاملی میں تبلیغی جماعت کے اہم ذمہ داران اور علماء سے ملاقات و گفتگو کی اور جلسوں کو خطاب کیا۔ مظفر نگر میں علمائے دیوبند سے اسلامی معاشرے کے بارے میں تبادلہ خیالات کیا۔ بجنور میں مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند سے ملاقات کی اور ملک وملت کے موجودہ مسائل پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ کانپور میں مسجد دارالسلام میں خطاب اور فیض عام انٹر کالج کے پرنسپل اور اساتذہ سے ملاقات وگفتگو کا موقع ملا۔ لکھنؤ میں اترپردیش فلاح عام سوسائٹی کی میٹنگ میں شرکت کی گئی۔ دہلی میں مولانا قاسمی اور جناب اقبال ملا نے گرودوارہ پربندھک کمیٹی کے چیئرمین جناب پرجیت سنگھ سرنا سے ملاقات کی۔ سرنا صاحب نے قرآن مجید اور گروگرنتھ صاحب کی مشترک تعلیمات کو مرتب کرنے کی ضرورت کا اظہار کیا۔ ایران سے تشریف لائے ہوئے مہمان جناب مہدی تسخیری سے ملاقات میں جناب رفیق قاسمی نے مختلف مسائل سے متعلق ان سے گفتگو کی۔

شعبۂ ملی وملکی مسائل کی جانب سے محکمہ آثار قدیمہ کے زیر اہتمام مساجد میں پنج وقتہ نمازوں کی آزادی دیئے جانے کے سلسلے میں کوششیں جاری رکھی گئیں۔ اس موضوع پر قیم جماعت کا بیان جاری کیا گیا۔ اسسٹنٹ سکریٹری شعبہ جناب انتظار نعیم نے ڈی ڈی اے اور دہلی میونسپل کارپوریشن کے ذریعے ناجائز قبضہ کی گئی وقف جائدادوں کی واگزاری کے لئے ان محکموں سے قانون حق معلومات کے تحت معلومات طلب کی ہیں۔ پارلیمانی انتخاب کے موقع پر جماعت کا جاری کردہ عوامی منشور شعبہ کی جانب سے پورے ملک میں عام کرنے کی کوشش کی گئی۔ جماعت کے تنظیمی حلقوں کی جانب سے جاری کئے جانے والے اس کے تائید کردہ پارلیمانی انتخاب کے امیدواروں کے ناموں کی اسلام اور ملت کے وسیع تر مفاد کو پیش نظر رکھ کر امیر جماعت کی جانب سے توثیق کی جاتی رہی۔ جماعت نے پورے ملک میں کوشش کی کہ فسطائیت اور فرقہ وارانہ ذہنیت کے حامل افراد کے مقابلے میں مختلف سیاسی پارٹیوں کے بہتر افراد کا انتخاب کیا جائے۔ جناب انتظار نعیم، جو ادارۂ ادب اسلامی ہند کے جنرل سکریٹری بھی ہیں، اکولہ (مہاراشٹر) میں منعقدہ ادارہ کی مغربی زونل ادبی کانفرنس میں شریک ہوئے اور مشاعرے کی صدارت کی۔ مشہور شخصیت جناب سید حامد کی شخصیت پر انگریزی میں شائع کی گئی ایک کتاب کے اجراء کی تقریب میں امیر جماعت مولانا سید جلال الدین عمری نے قیم جماعت جناب نصرت علی اور اپنے دیگر رفقاء کے ساتھ شرکت کی اور جناب سید حامد اور پبلشر جناب انعامدار کو مبارکباد پیش کی۔

شعبۂ تعلیم کی جانب سے یوپی، آسام اور مہاراشٹر کے بعض تعلیمی اداروں کو معائنہ رپورٹیں ارسال کی گئیں جن میں اداروں کو ضروری مشورے دیئے گئے ہیں۔ سکریٹری شعبۂ تعلیمات جناب اشفاق احمد نے دہلی کے ملی ماڈل اسکول، ہمدرد پبلک اسکول اور ہیومن ویلفیئر فاؤنڈیشن کی انتظامی نشستوں میں شرکت کی۔ بعض حلقوں کو تعلیم گاہوں کے صدر مدرسین اور منیجر صاحبان کے تربیتی پروگرام منعقد کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ درسی کتب کی تیاری کا کام مسلسل جاری رہا۔ سکریٹری شعبہ نے درسیات کے دائرے کو وسعت دینے کے لئے نائب امیر جماعت جناب محمد جعفر اور منیجر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز جناب عتیق الرب سے تفصیلی گفتگو اور مشاورت کی۔

احمد آباد کی جیل میں قیدیوں پر ہونے والے ٹارچر کے خلاف آواز اٹھانے کے لئے شعبۂ خدمت خلق نے حقائق کی تحقیق کے لئے ایک کمیٹی کے احمد آباد وزٹ کا پروگرام ترتیب دیا۔ اسلامی مائیکرو فائنانس ٹاسک فورس کی میٹنگ کرکے کام کو آگے بڑھانے کے لئے ضروری فیصلے کئے گئے۔ کل ہند پیمانے پر ڈاکٹرس فورم کی تشکیل کے لئے مرکز جماعت میں مختلف ریاستوں کے پچیس تیس ڈاکٹر صاحبان کے ساتھ میٹنگ ہوئی اور کچھ ابتدائی فیصلے کئے گئے۔ کویت کے مہمان ڈاکٹر عبدالحمید بلالی اور ایران کے مہمان جناب مہدی تسخیری کی مرکز تشریف آوری پر پروگرام منعقد کئے گئے۔ اے پی سی آر کے سالانہ اجلاس کیلئے ضروری مشورے ہوئے۔ دہلی پردیش میں اے پی سی آر کا ورکشاپ ہوا اور مغربی یوپی کی اے پی سی آر کمیٹی کی ایک میٹنگ مرکز جماعت میں منعقد ہوئی اور کام کو آگے بڑھانے کا پروگرام تیار کیا گیا۔ نائب امیر جماعت جناب صدیق حسن نے ان تمام کاموں کی نگرانی فرمائی۔

سکریٹری اور اسسٹنٹ سکریٹری شعبہ رابطہ عامہ جناب اعجاز احمد اسلم اور جناب رفیق احمد اور شعبۂ میڈیا کے انچارج ڈاکٹر سید قاسم رسول الیاس نے الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا کے ذمے داران اور نمائندہ حضرات سے ملاقاتوں کا اہتمام کیا۔ مرکز جماعت میں سہ روزہ دعوت کی ویب سائٹ اور خصوصی شمارہ ’جماعت اسلامی ہند کے ساٹھ سال‘ کے اجراء کی تقریب میں امیر جماعت نے خصوصی خطاب فرمایا۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے یو این آئی اردو کے چیف جناب شیخ منظور احمد نے پروگرام میں شرکت کی اور اظہار خیال کیا۔ شعبۂ تربیت کے سکریٹری جناب عبدالباسط انور نے شعبے کے منصوبے کے پیش نظر حلقہ جات سے رابطہ رکھا۔ اسلامی خاندان اور مرکزی تربیت گاہ کے لئے پروگرام کے خاکے کی تیاری کا کام جاری ہے، جس کی جلد ہی تکمیل کرلی جائے گی۔ تصنیفی اکیڈمی کی میٹنگ منعقد ہوئی اور ضروری فیصلے کئے گئے۔ اردو اور انگریزی میں نئے لٹریچر کی تیاری کے لئے مختلف حضرات سے رابطہ قائم ہے۔ تین نئی کتابیں اشاعت کے لئے مرکزی مکتبہ اسلامی کے حوالے کی گئیں۔

مرکز تحریک سے

جماعت کے عوامی منشور کو پورے ملک میں عام کرنے کی کوشش کی گئی

مسجد اشاعت اسلام میں خطبہ جمعہ

زندگی کے تمام معاملات میں اللہ کی اطاعت مطلوب ہے

نئی دہلی۔ ”اللہ کی عبادت — نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں الحمد للہ ہمارے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، البتہ اس کی اطاعت میں قدم قدم پر دشواریاں موجود ہیں اور یہی وہ موڑ ہے جس پر بہت سے لوگ باطل سے سمجھوتہ کرلیتے ہیں اور دنیا میں جو طریقہ زندگی مروج ہے اس کو اختیار کرلیتے ہیں۔ حالانکہ عبادت کے دوران ہم بار بار اللہ سے یہ اقرار واعتراف کرتے ہیں کہ ہم تیرے بندے ہیں، تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں مگر جب ہم میدانِ عمل میں بازار میں، کورٹ کچہری میں پہنچتے ہیں تو خدائی احکام و ہدایات کو پس پشت ڈال کر دنیا کے مروجہ طور طریقوں کے مطابق عمل کرنے لگتے ہیں، یہ طرز عمل اطاعت نہیں، بغاوت ہے“۔

مذکورہ خیالات کا اظہار مولانا محمد رفیق قاسمی سکریٹری جماعت اسلامی ہند نے مسجد اشاعت اسلام میں اپنے خطبۂ جمعہ کے دوران کیا۔ موصوف نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ یہ دورخی پالیسی ہے کہ عبادت تو خدا کے حکم کے مطابق ہو مگر اطاعت غیر اللہ کی منشاء ومرضی کے مطابق ہو اور جب انسان کی زندگی میں دورخی پالیسی داخل ہوجاتی ہے تو وہ کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا۔ مولانا قاسمی نے مسلمانوں کی دینی حالت کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے معاشرے میں تین طرح کے مسلمان پائے جاتے ہیں۔ ایک تو وہ جو اللہ کی عبادت کے ساتھ اس کی اطاعت بھی کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جو اللہ کی عبادت تو کرتے ہیں مگر اس کی اطاعت نہیں کرتے اور تیسرے وہ جو نہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور نہ اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ خود کو عبادت اور اطاعت دونوں سے بے نیاز سمجھتے ہیں، مگر ان کا موقف یہ ہوتا ہے کہ چونکہ وہ مسلمان ہیں اس لئے اللہ کو ان کی ہر مشکل گھڑی میں مدد کرنی چاہئے۔ مولانا نے کہا کہ ظاہر ہے کہ دونوں کا انجام اللہ کے یہاں یکساں نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ کے فرمانبردار مومن اور فاسق دونوں برابر نہیں ہوسکتے، جو ایمان اور عمل صالح کی دولت سے مالا مال ہوں گے جنھوں نے اللہ سے عہد بندگی کو پورا کیا ہوگا اور اطاعت شعاری میں زندگی گزاری ہوگی وہ اللہ کی نعمت بھری جنتوں میں قیام پذیر ہوں گے اور اس کی ضیافت سے شادکام ہورہے ہوں گے اور جن کی زندگی فسق وفجور اور خدا کی نافرمانی میں گزرے گی وہ دوزخ کے ایندھن ہوں گے۔ اپنی بات ختم کرتے ہوئے مولانا قاسمی نے کہا کہ آج ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ اگر ہم اللہ کی بندگی اور عبادت کرتے ہیں تو زندگی کے معاملات ومسائل میں بھی اس کے احکام وہدایات کی پیروی کرنی ہے ایسا نہ ہو کہ عبادت تو ہم اللہ کی کریں مگر اطاعت غیر اللہ کی کریں اور اللہ کی اس تنبیہ کے مستحق بنیں کہ: ”اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جسے خود نہیں کرتے“۔

مرکز کا ہفتہ وار اجتماع

انسان کی نجات کا انحصار تربیت وتزکیہ پر ہے

نئی دہلی۔ ”تربیت وتزکیہ پر انسان کی نجات کا انحصار ہے، اسی سے شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے اور روح کو بالیدگی حاصل ہوتی ہے، جس نے اپنی تربیت کرلی وہ کامیاب ہوگیا“۔ ان خیالات کا اظہار مولانا محمد فاروق خاں مترجم ہندی قرآن مجید نے ۹ر مئی ۲۰۰۹ء بروز سنیچر یہاں مرکز جماعت اسلامی ہند کے ہفتہ وار پروگرام میں کیا۔ موصوف ”اپنی اصلاح وتربیت — قرآن وسیرت کی روشنی میں“ کے زیر عنوان اظہار خیال کررہے تھے۔ مولانا فاروق خاں نے تربیت کے معنی ومفہوم پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اس کا مفہوم کسی چیز کو نشوونما دینا، پروان چڑھانا اور بالیدگی عطا کرنا ہے۔ آج اس کی ضرورت ہے کہ انسان کی شخصیت کے جملہ امکانات کو پروان چڑھایا جائے یہاں تک کہ وہ درجہ کمال (Perfection) کو پہنچ جائے اور اسے معرفت الٰہی حاصل ہوجائے۔ جب کسی شخص کی تربیت کا پہلو کمزور رہ جاتا ہے تو اس کی شخصیت داغدار ہوجاتی ہے اور وہ شیطان کی پیروی کرنے لگتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کسی کی تربیت وتزکیہ کے مراحل سازگار اور مناسب ماحول میں طے ہوجائیں تو وہ انسانیت کے لئے شجر سایہ دار بن جاتا ہے۔ مولانا فاروق خاں نے کہا کہ دراصل تربیت وتزکیہ کا مقصود ہی یہ ہے کہ انسان کی شخصیت میں صفات الٰہی کا انعکاس (Reflection) ہو جس کی طرف حدیث رسولؐ میں رہنمائی کی گئی ہے۔ ”اپنے اندر اللہ کی صفات کو پروان چڑھاؤ“۔ اس بات کو قرآن میں اس طرح کہا گیا ہے کہ:

”اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اس سے بہتر رنگ کس کا ہوسکتا ہے؟ مطلب یہ ہوا کہ خدا عظیم اور بزرگ ہے تو انسان کے اخلاق میں بھی اس عظمت اور بزرگی کا اظہار ہونا چاہئے۔ وہ عادل ومنصف ہے تو انسانی سماج میں بھی یہ صفات بدرجہ اولیٰ مطلوب ہیں۔ اسی طرح اللہ کی دیگر بہت سی صفات ہیں جن کا اظہار انسانی زندگی میں ہونے لگے تو یہ دنیا امن وسلامتی، عدل وانصاف رحمت ومواسات اور خیر خواہی کا گہوارہ بن جائے۔

مرتبہ: عبدالحق فلاحی)

وژن ۲۰۱۶- ملک میں مائکرو فینانس انسٹی ٹیوشن کا قیام

جماعت اسلامی ہند کے شعبۂ خدمت خلق کی جانب سے دس سالہ منصوبہ وژن ۲۰۱۶ء کی مختلف سرگرمیاں جاری ہیں۔ مائیکرو فینانس انسٹی ٹیوشن کو سارے ملک میں پھیلانا اس کے منصوبے میں شامل ہے۔ اس پروگرام سے انشاء اللہ سماجی تبدیلی متوقع ہے۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے ایک ٹاسک فورس جناب ارشد اجمل پٹنہ کی قیادت میں تشکیل دی گئی ہے۔ ٹاسک فورس نے اپنی میٹنگ مورخہ ۲ر مئی کو چنئی میں کی اور درج ذیل فیصلے کئے:

☆ کیم تا ۴ر اگست ۲۰۰۹ء حیدر آباد میں مائکرو فینانس پر نیشنل ورکشاپ کا انعقاد کیا جائے گا۔ اس ضمن میں مزید تفصیلات جناب ارشد اجمل سے فون نمبر 9931606687 پر حاصل کی جاسکتی ہیں۔

☆ جماعت اسلامی ہند کے تحت چلنے والی بلاسودی سوسائٹیوں کا ایک سروے کروایا جائے گا۔ تمام حلقوں کو سروے فارم بھجوائے جاچکے ہیں۔ ذمہ دارانِ جماعت سے خواہش ہے کہ وہ مکمل تعاون فرمائیں۔ یہ کام انشاء اللہ مئی کے آخر تک مکمل کرلیا جائے گا۔ مائیکرو فینانس کے تعلق سے مزید معلومات جناب ارشد اجمل سے حاصل کی جاسکتی ہیں اور پُر شدہ سروے فارم براہ راست مرکزی شعبۂ خدمت خلق کو ارسال فرمائیں۔ نیشنل ورکشاپ کے لئے ہر حلقے سے دو تین افراد شرکت فرمائیں گے اور ایس آئی او کے افراد بھی اس میں شرکت کرسکتے ہیں۔

نظام الملک طوسیؒ: پانچویں صدی ہجری کی ایک باکمال شخصیت

مولانا ابو البیان حماد عمری

طوس، خراسان کا ایک مشہور شہر ہے، جس کا موجودہ نام "شہر مقدس" ہے۔ سب سے پہلے جس نے طوس کی بنیاد ڈالی وہ ایران کا ایک حکمراں جمشید پیش داری تھا۔ طوس کی تاریخی حیثیت یہ ہے کہ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت میں صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں ۲۹ ہجری میں فتح ہوا۔ بنی عباسیہ کے دور میں اسے بڑی شان و شوکت حاصل ہوئی۔ طوس میں بہت سے باکمال اکابر پیدا ہوئے، جن کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، ان میں سے چند یہ ہیں: امام محمد غزالیؒ، فردوسی، قدسی وغیرہ۔ انھی شہرت یافتہ شخصیات میں ایک اہم نام نظام الملک طوسی کا ہے۔

نظام الملک کا اصل نام خواجہ حسن ہے، محمد علی ان کے والد کا نام تھا۔ خواجہ حسن نام تجویز کرنے کا سبب یہ ہے کہ ان کی والدہ زمرد خاتون نے خواجہ حسن کی ولادت کے دو دن بعد خواب دیکھا کہ گھر کے کسی صاف شفاف کونے میں ایک نورانی خاتون بیٹھی ہوئی ہیں، سامنے رحل پر قرآن کریم رکھا ہوا ہے، زمرد خاتون نے نام پوچھا تو انھوں نے بتایا: میرا نام فاطمہ الزہرا ہے، میں صاحبزادی ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی"۔ زمرد نے آگے بڑھ کر ادب و احترام سے سلام کیا، خاتون جنت نے نرمی اور مہربانی سے سلام کا جواب دیا، زمرد پر ہیبت طاری ہوگئی اور وہ اپنے بچے کو گود میں لے کر کھڑی ہوگئیں۔ خاتون جنت نے بڑی شفقت کے ساتھ اپنے پاس بلا کر بٹھالیا اور زمرد سے کہنے لگیں کہ ایک مرتبہ میں نے ابا جان، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی حسرت کے ساتھ کہا کہ میری تینوں بہنیں اللہ تعالیٰ کو پیاری ہوگئیں، کاش میری بھی کوئی بہن ہوتی جسے دیکھ کر میں خوش و خرم ہوتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہاری مقدس ماؤں کو جس طرح اُمہات المؤمنین کا اعزاز حاصل ہوا ہے اسی طرح امت کی تمام نیک خواتین تمہاری بہنیں ہیں۔ زمرد تم بھی مجھے نیک معلوم ہورہی ہو، لہٰذا میں تم کو اپنی بہن سمجھتی ہوں۔ پھر خاتونِ جنت نے بچے کو اپنی گود میں لے کر اس کا نام دریافت کیا، زمرد خاتون نے جواب دیا کہ ابھی نام نہیں رکھا گیا ہے، حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پوچھا: اس بچے کے باپ کا نام کیا ہے؟ زمرد نے جواب دیا: علی ہے۔ خاتون نے جنت نے کہا: تب تو اس کا نام حسن رکھا جائے، کیونکہ میرے لخت جگر کا بھی نام یہی ہے۔ زمرد خواب سے بیدار ہوئیں اور اپنے شوہر سے اس خواب کا ذکر کیا تو وہ بھی خوش ہوئے، دونوں نے بچے کا نام حسن رکھ دیا، جو اسم بامسمیٰ ہوگیا اور فال نیک بن گیا۔ عربی کا ایک مشہور مقولہ ہے: "بعض اوقات نام جیسا ہوتا ہے کام بھی ویسا ہی ہوتا ہے"۔

پیدائش اور تعلیم و تربیت:

حسن کی تاریخ پیدائش ۲۱رذی قعدہ ۴۰۸ھ ہے۔ مکتب کی رسم افتتاح ۴۱۳ھ میں ادا ہوئی اور ۴۱۹ھ میں حسن نے قرآن کریم حفظ کرلیا، جبکہ آپ کی عمر گیارہ سال تھی۔ حسن کے استاد عبدالصمد ذکر کرتے تھے کہ حسن بڑے ذہین تھے، قرآن کریم کا جو سبق دوسرے بچوں کو کئی دنوں میں حفظ ہوتا تھا وہ حسن کو چند گھنٹوں میں یاد ہوجاتا تھا۔ بچپن ہی میں حسن کے چہرے سے ایسے آثار ظاہر ہوتے تھے جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ مستقبل میں حسن زبردست عالم و فاضل بن جائیں گے۔

ایک دن حسن نے استاذ سے کہا: "مکتب میں طلبہ کی تعداد زیادہ ہوجانے کی وجہ سے ناظرہ اور حفظ دونوں کا سلسلہ درہم برہم ہوگیا ہے۔ اس مسئلے کو حل کرنا ضروری ہے۔ استاذ نے حسن سے پوچھا: تمہارے پاس اس کا کوئی حل ہے تو بتاؤ۔ حسن نے حل یہ بتایا کہ اس وقت مکتب میں ساٹھ طلبہ ہیں، ان میں سے دس ذہین طلبہ کو منتخب کرلیا جائے، باقی طلبہ کو سبق دینے کے بعد استاد ان طلبہ کے حوالے کردیں کہ وہ آپس میں تقسیم کرکے اپنا سبق بھی یاد کریں اور ان کا سبق بھی سنتے رہیں۔ چنانچہ دس طلبہ میں سے ہر ایک کو پانچ پانچ طلبہ دے دیئے گئے۔

طوس میں ابتدائی تعلیم جو حفظ قرآن وغیرہ سے متعلق تھی ختم ہونے کے بعد حسن کو اعلیٰ تعلیم کے لئے نیشا پور بھیجا گیا، جہاں وقت کے مشہور عالم "امام موفق" سے جملہ علوم متداولہ حاصل کرلئے، پھر سند فراغت پاکر طوس لوٹ آئے۔ سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد حسن کی علمی تشنگی اور بڑھ گئی۔ وہ مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے بخارا چلے گئے اور وہاں مشہور بزرگ شیخ ابوسعید ابوالخیر سے کسب فیض کیا۔ پھر مصر پہنچ کر جامع ازہر کی جماعت عالیہ میں داخلہ لیا اور وہاں سے سند فضیلت حاصل کرلی۔ اس کے بعد مشہور و معروف عالم و فاضل کی حیثیت سے آپ کی پہچان بن گئی اور آپ دوسرے تشنگان علوم کو اپنے چشمۂ علوم سے سیراب کرنے لگے۔ درس و تدریس کی خدمت انجام دے رہے تھے کہ انہیں آل سلجوق کی طرف سے دعوت ملی کہ وہ دربار میں رہ کر دفتر انشاء کی ذمہ داری سنبھال لیں، چنانچہ اس دعوت کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک نعمت سمجھ کر وہ دوبارہ سلجوقی پہنچ گئے اور انشاء کی ذمہ داری کو اس خوبی اور خوش اسلوبی سے سنبھالا کہ آل سلجوق نے ان کی کارکردگی سے خوش ہوکر فیصلہ کیا کہ وزارت عظمیٰ کی خدمت ان سے لی جائے۔ چنانچہ سلطان الپ ارسلان سلجوقی نے آپ کو سلطنت سلجوق کا وزیر اعظم بنادیا۔

حسن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے منصب وزارت حاصل ہونے کے بعد ایران کے بہت سے شہروں میں دینی مدارس کا جال بچھا دیا۔ مرکزی درسگاہ جو قائم کی گئی وہ بغداد کی درسگاہ نظامیہ ہے۔ آج دنیا میں مدرسۂ نظامیہ اگرچہ موجود نہیں ہے لیکن جب وہ بغداد میں قائم کیا گیا تو پوری دنیا میں اس کی شہرت ہوگئی۔ اس زمانے میں دینی اور عصری علوم کے جتنے بھی شعبے تھے وہ سب نظامیہ میں قائم کردیئے گئے تھے۔ اس لحاظ سے آج کی زبان میں مدرسۂ نظامیہ کو یونیورسٹی کہا جاتا ہے۔ اس زمانے میں جامعہ نظامیہ میں تعلیم حاصل کرکے سند فراغت حاصل کرنے والے مشاہیر شیوخ و علماء کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اس کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ نظامیہ سب سے پہلا مدرسہ ہے جس نے طلبہ کے لئے درسگاہوں کے علاوہ دارالاقامہ قائم کیا۔ طلباء کو معقول وظائف دیئے جاتے تھے۔ سامان خورد و نوش کی فراہمی کے ساتھ درس اور خارجی مطالعے کی کتابیں بھی انہیں دی جاتی تھیں۔ جامعہ نظامیہ کی نگرانی کرنے کے سلسلے میں نظام الملک نے مدرسے کے قریب ہی اپنی سکونت کے لئے ایک حویلی بنالی تھی۔

ایک عجیب و غریب بات یہ ہے کہ لکھنؤ میں ایک محلہ فرنگی محل ہے، جہاں بہت سے مشہور و معروف علماء پیدا ہوئے۔ ان میں ملا نظام الدین کو غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ملا نظام الدین نے ملک کی دینی درسگاہوں اور عربی مدارس کے لئے ایک نصاب تیار کیا جسے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ عرصۂ دراز سے جو نصاب عربی مدارس میں پڑھایا جارہا ہے اس کا اصطلاحی نام ہی "درس نظامی" ہوگیا۔

نظام الملک کے اخلاق و عادات:

آل سلجوق کے عہد حکومت میں ابتداء سے آخر تک جتنے بھی وزراء گزرے ہیں، ان میں سے سب سے زیادہ دیندار، وفادار، دیانتدار، باوقار اور ذمہ دار وزیر اعظم نظام الملک حسن ہی ہیں۔ سیاست، عدل و انصاف، شجاعت اور فیاضی میں ان سے بڑھ کر کوئی دوسرا وزیر نہیں گزرا۔ مزاج میں نرمی تھی، خوف خدا اس قدر غالب تھا کہ فکر آخرت ہر وقت انہیں دامن گیر رہتی تھی۔

نظام الملک علمائے حق کی بڑی توقیر کرتے تھے۔ اس دور کے مشہور عالم شیخ ابو علی نظام الملک کی دعوت پر دربار میں تشریف لاتے تو ان کے استقبال کے لئے نظام الملک کھڑے ہوجاتے اور انہیں اپنی مسند پر بٹھا کر خود ان کے سامنے ادب سے بیٹھ کر اس طرح گفتگو کرتے تھے جیسے کوئی شاگرد رشید اپنے استاذ سے گفتگو کرتا ہے۔ اس ادب و احترام کو دیکھ کر کسی نے ان سے دریافت کیا کہ آپ شیخ ابوعلی کا اس قدر اعزاز و اکرام کیوں کرتے ہیں؟ جواب دیا: دوسرے حضرات مجھ سے ملاقات کرتے ہیں تو بلا ضرورت میری تعریف و توصیف کرنے لگتے ہیں جبکہ میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا، مگر شیخ ابوعلی اللہ تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ کے علاوہ کسی کی تعریف نہیں کرتے اس لئے میں ان کی بڑی قدر کرتا ہوں۔

نظام الملک کے دینی حالات:

نظام الملک کی پوری زندگی اللہ تبارک و تعالیٰ کی بندگی میں گزرتی تھی کیونکہ دنیا کے معاملات اگر اللہ تعالیٰ کے احکام، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے انجام دیئے جائیں تو وہ سب دین ہی کے کام میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کا اجر و ثواب ملتا ہے اور دینی امور، اغراض دنیا، ذاتی مقاصد اور مفادات کے لئے انجام دیئے جائیں تو نہ صرف یہ کہ وہ ضائع ہوجاتے ہیں بلکہ گناہوں میں ان کا شمار ہوجاتا ہے اور وہ عذاب کا سبب بن جاتے ہیں، جیسا کہ کسی نے کہا ہے۔

جو ہو للّٰہیت تو دین بن جاتی ہے یہ دنیا
نہ ہو للّٰہیت تو دین بھی بدتر از دنیا ہے

نظام الملک کے دور وزارت میں سلجوقی حکومت کی یہ خصوصیت تھی کہ ملک میں اسلامی نظام قائم تھا۔ شریعت کے احکام نافذ تھے اور حدود و تعزیرات برابر جاری کئے جاتے تھے اور خود نظام الملک کی ذاتی زندگی بڑی قابل رشک تھی، وہ ہمیشہ باوضو رہتے تھے۔ ہر وضو کے بعد دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھ لیتے تھے، ہر دن پابندی کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے۔ تلاوت کرتے وقت تکیہ لگا کر نہیں بیٹھتے تھے کیونکہ اس طرح بیٹھنے کو آداب تلاوت کے خلاف سمجھتے تھے۔ قرآن کریم کا ایک چھوٹا نسخہ سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ ہر نماز کے لئے جیسے ہی اذان ہوتی اپنے سارے کام چھوڑ کر اور اپنی تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر مسجد پہنچ جاتے تھے۔

ہر دو شنبہ اور پنج شنبہ کو نفل روزہ رکھتے تھے۔ حج و زیارت کے سلسلے میں آج جو سہولتیں حاصل ہیں وہ عہد سلجوقی میں موجود نہیں تھیں، اس لئے نظام الملک نے اپنے دور وزارت میں حرمین کے راستے درست کرائے۔ سفر میں جو دشواریاں تھیں وہ دور کردیں۔ زائرین حرم کی راحت رسانی کے لئے جو کچھ انتظام کرنا ضروری تھا اس میں کوتاہی نہیں کی، کھانے کے سلسلے میں نظام الملک کا معمول تھا کہ دربار کے سبھی لوگوں کو ساتھ لے کر دسترخوان پر بیٹھتے تھے، فقراء اور غرباء کو اپنے قریب بٹھالیا کرتے تھے، خود کھانے سے زیادہ دوسروں کو کھلانا پسند کرتے تھے۔

نیک نفسی:

نظام الملک کے دروازے پر دربان موجود تھا تاکہ جو شخص بھی اندر جانا چاہے وہ اجازت لے کر جائے اور یہ بھی دربان کو ہدایت تھی کہ کسی بھی حاجت مند کو دربار میں آنے سے نہ روکا جائے، ایک مرتبہ نظام الملک ناشتے کے لئے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے تھے کہ کوئی ضرورت مند خاتون ہاتھ میں پیالہ لے کر اندر آنا چاہتی تھی، دربان نے اسے لوٹا دیا، نظام الملک نے دیکھ لیا، دربان کو تنبیہ کی خاتون کو واپس بلایا اور اس کی جو ضرورت تھی وہ دے دلا کر بھیجا۔ نظام الملک زکوٰۃ کے علاوہ ہمیشہ دل کھول کر صدقہ و خیرات کرتے تھے۔ ان کی فیاضی کا حال یہ تھا کہ جب کبھی دربار سے باہر جاتے تھے پیسوں کی تھیلیاں، اپنے ساتھ لے کر جاتے اور راستے میں جو بھی حاجت مند ملتا تھا، اس کا حال سن کر اس کی ضرورت پوری کردیتے تھے۔

نظام الملک کی وفات:

سلطان الپ ارسلان سلجوقی کی وفات کے بعد ملک شاہ نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھال لی اور وہ سلجوقی حکومت کا فرمانروا بن گیا، ملک شاہ نے بھی نظام الملک کے ساتھ ابتداء میں حسن سلوک کا معاملہ کیا لیکن نظام الملک کے انتقال سے کچھ عرصہ قبل رموز سلطنت اور بعض مصالح کے پیش نظر ملک شاہ نے نظام الملک کو وزارت عظمیٰ کے منصب سے سبکدوش کردیا، لیکن نظام الملک کے ظاہری اعزاز و اکرام، خاطر داری اور وظیفے میں کوئی کمی نہیں کی۔ حتیٰ کہ کسی ضرورت کے پیش نظر ملک شاہ نے رمضان ۴۸۵ھ میں اصفہان سے بغداد جانے کا فیصلہ کیا تو نظام الملک کو بھی اپنے ہمراہ لے لیا، راستے میں ایران کا مشہور شہر 'نہاوند' آیا تو ملک شاہ نے طے کیا کہ رمضان المبارک کا مہینہ نہاوند میں گزار کر عید الفطر کے بعد بغداد کا سفر اختیار کیا جائے۔ شاہی خیمے کے اطراف و جوانب ارکان سلطنت کے ڈیرے لگا دیئے گئے۔ ملک شاہ کے خصوصی مصاحب کے طور پر نظام الملک کا خیمہ نہاوند کے محلہ سحنہ میں نصب کیا گیا۔ ۱۰رمضان المبارک ۴۸۵ھ پنج شنبہ کا دن تھا کہ نظام الملک نے روزہ افطار کرکے نماز مغرب پڑھی، طعام شب سے فارغ ہونے کے بعد حسب معمول علماء و فقہاء سے گفتگو ہوتی رہی، دوران گفتگو نظام الملک نے نہاوند کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت میں نہاوند پر حملہ کیا گیا، ۲۰ ہجری میں نہاوند فتح ہوا۔ اس فتح سے پورے عراق و ایران پر مسلمانوں کا قبضہ ہوگیا۔ تیس ہزار دشمن مارے گئے۔ تاریخ اسلام میں اس فتح کو فتح الفتوح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مجلس برخاست ہونے پر عشاء اور تراویح کی نماز پڑھی گئی، نماز سے فارغ ہوکر نظام الملک آرام کرنے کے لئے اپنے خیمے کی طرف روانہ ہوئے۔ قیام گاہ کے قریب پہنچ کر ساتھیوں سے کہنے لگے کہ یہی وہ مقام ہے جہاں فتح نہاوند کے موقع پر چند صحابہ کرامؓ شہید ہوئے تھے۔" وہ لوگ بڑے خوش قسمت ہیں جو ان سے جاکر ملاقات کریں گے"۔ نظام الملک کی یہ بات ختم ہونے بھی نہ پائی تھی کہ دیلم کا ایک نوجوان فریادی بن کر سامنے آیا اور نظام الملک کے سامنے ایک عرضی پھینکی، درخواست اٹھانے کے لئے نظام الملک جیسے ہی آگے بڑھے اس ظالم نے موقع پاکر نظام الملک کے سینے میں خنجر گھونپ دیا، وار کارگر تھا، تھوڑی ہی دیر میں نظام الملک نے جام شہادت نوش کرلیا۔ "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا کہ قاتل کو معاف کردیا جائے اور اس سے قصاص نہ لیا جائے، میت کو اصفہان روانہ کردیا گیا اور محلہ کران کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی۔ اس طرح نظام الملک کی تاریخ وفات ۱۱رمضان المبارک ۴۸۵ ہجری ہے۔ نظام الملک نے اگرچہ خواہش ظاہر کی تھی کہ قاتل کو معاف کردیا جائے لیکن ورثاء اس کے لئے تیار نہیں ہوئے، قاتل ایک خیمے کی آڑ میں چھپا ہوا تھا، گرفتار کرلیا گیا اور قتل کردیا گیا۔

طالب علمی کے زمانے میں تین طلبہ جامعہ ازہر میں پڑھ رہے تھے، تینوں میں بڑے گہرے تعلقات تھے۔ باہمی روابط کے پیش نظر تینوں نے آپس میں معاہدہ کیا کہ تینوں جامعہ ازہر سے فارغ ہوکر زندگی کے میدان میں داخل ہوں گے تو تینوں آپس میں ہمدرد و غم خوار بن کر رہیں گے اور ایک دوسرے کا بھرپور تعاون کریں گے، ان میں ایک نظام الملک سلجوقی حکومت کے وزیر اعظم بنے۔ دوسرے صاحب عمر خیام تھے جو شعر و ادب میں مشہور و معروف ہوئے اور تیسرا شخص حسن بن صباح تھا جو اپنے دور کی غیر اسلامی خطرناک باطنی تحریک کا بانی اور سرغنہ تھا۔ نظام الملک اور عمر خیام کے باہمی تعلقات آخر تک خوشگوار رہے، دونوں برابر حسن بن صباح کا ساتھ دیتے رہے اور مال و دولت کے ذریعے ہر طرح اس کی مدد کرتے رہے لیکن حسن بن صباح سے ان دونوں کا عروج و اقبال نہیں دیکھا جاسکا۔ وہ جل بھن گیا اور بغض و حسد کا بھیانک انجام یہ نکلا کہ ایک ظالم حسن نے دوسرے مظلوم حسن کو شہید کرادیا۔ آخر وہ بھی کیفر کردار کو پہنچ گیا۔

(راہ اعتدال، عمر آباد)

اقتدار کی شکست و ریخت اور مسلمان

عارف عزیز، بھوپال

ہندوستان میں آج بدنظمی، خود غرضی، ناانصافی اور تشدد کا جو دور دورہ ہے، اخلاقی اقدار کی شکست و ریخت نے اس میں مزید شدت پیدا کردی ہے۔ قومی کردار دم توڑ رہا ہے۔ ملک کے رہنما رہنمائی کرنے کے بجائے اقتدار کے حصول اور اس کو استحکام بخشنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہاں اخلاقی گراوٹ اور کردار کے تنزل کی رفتار تیز ہے۔ پہلے بھی ہندوستان میں یہی ہوتا رہا ہے۔ یہاں کے عوام نے ہمیشہ اوپر کے لوگوں کی تقلید کی ہے اور ان ہی کے نقش قدم پر وہ چلے ہیں۔ اس وقت بھی معیاروں اور اصولوں کے زوال کا سبب یہ ہے کہ اوپری سطح کے لوگوں میں اصول و معیار کا احساس ختم ہوگیا ہے وہ جو کچھ بھی کر رہے ہیں اس کے لئے اقتدار ان کا واحد مطمح نظر ہے اسی بات سے متاثر ہوکر کسی نے کہا تھا کہ "اس ملک میں ایسے لوگ اب کم نظر آتے ہیں جو خود غرض اور صرف اپنے مفاد کے دیوانے نہ ہوں"۔

اس افسوسناک ذہنی نفسیات کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہندوستان میں سیاست بالغ رائے دہندگی اور ساٹھ فیصد ناخواندگی کی پیداوار ہے جب سیاست جہالت کے چنگل میں پھنس جاتی ہے تو وہ بالغ نظر رہنما نہیں غیر ذمہ دار لیڈر پیدا کرنے لگتی ہے۔ ہندوستان میں آج یہی ہورہا ہے۔ اس لئے عوام میں ان کے قائدین کی عزت روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ جب کسی قوم میں کردار کی یہ بے وقعتی عام ہوجاتی ہے اور خواص و عوام دونوں کی نظر میں اخلاقی قدروں کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی تو اس کا فطری نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ اس قوم میں شگاف پڑنا شروع ہوجاتے ہیں۔ یہ شگاف مذہبی بھی ہوسکتے ہیں اور علاقائی، لسانی نیز اقتصادی بھی۔

ہندوستان کے طول و عرض میں آج ہدف کے شگاف دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہاں کی سیاست و معاشرت میں، مذہب کے اختلاف کو سب سے زیادہ دخل رہا ہے اس لئے جیسے جیسے اخلاقی انحطاط بڑھتا جارہا ہے مذہبی اکثریت اور سب سے بڑی اقلیت کے درمیان کے فاصلے میں بھی اضافہ ہورہا ہے، اکثریتی فرقے سے تعلق رکھنے والے بعض عناصر یہ سمجھنے لگے ہیں کہ قیادت و رہنمائی صرف ان کا حق ہے اور جو لوگ عددی اعتبار سے اقلیت میں ہیں وہ ان کے پیچھے چلنے پر مجبور ہی نہیں بلکہ ان پر یہ واجب ہے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے یا اپنے دماغ سے سوچنے کی کوشش نہ کریں یعنی وہ اپنے ذہن میں اکثریت کو حقوق عطا کرنے والا اور مسلمانوں کو مراعات کی آرزو رکھنے والا تصور کرچکے ہیں۔

ان حالات میں مسلمانوں کا رول اس کے سوا کچھ اور نہیں ہوسکتا کہ وہ ملک کو اوپر اٹھانے اور ہندوستانی معاشرے میں اخلاقی اقدار کو بحال کرنے نیز رواداری، وسیع القلبی، بے غرضی اور دیانتداری کو فروغ دینے کے لئے آگے بڑھیں اور قرآن حکیم میں جو عظیم ذمہ داری ان کو سونپی گئی ہے اس کو ادا کریں۔ مسلمانوں کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی انھوں نے اپنے حقیقی منصب یعنی "اچھائیوں کا حکم کرنے اور برائیوں سے روکنے" سے روگردانی کی تو ذلت اور پستی نے انہیں گھیر لیا ہے، آج دنیا بھر کے مسلمان عموماً اور ہندوستان کے مسلمان خصوصاً جس عبرتناک موڑ کے قریب پہنچ گئے ہیں وہ بھی اسی کوتاہی کا نتیجہ ہے۔

ہندوستان میں آج مسلمانوں کا بنیادی کام یہ ہے کہ ان کے بارے میں جو متعدد غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں وہ ان کو دور کرکے اس زہریلی ذہنیت کا ازالہ کریں جو تنگ نظر پیدا کر رہے ہیں۔ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ خدمت خلق کے راستے وہ عوام کے ساتھ براہ راست رابطہ پیدا کریں اور اپنے وجود کو ملک کے لئے مفید ہی نہیں ضروری ثابت کرنے کی عملی جدوجہد کریں۔ ●●

موسم گرما اور طبی مشروبات

حکیم محمد ابراہیم شیخ

گرمی کا موسم شروع ہوچکا ہے۔ سورج اپنی آب و تاب کے ساتھ آگ برساتا نکلتا ہے۔ وطن عزیز کے زیادہ تر علاقوں میں سردیوں کی نسبت گرمیوں کا دورانیہ طویل ہوتا ہے، دوسری طرف آبادیوں کا بڑھ جانا، ٹریفک کی آلودگی، صفائی کی ناقص صورتحال جیسے مسائل نے بھی موسم گرما کا ساتھ دیا ہے۔ اس گرم و خشک موسم میں پسینے کا بار بار آنا، بار بار پیاس لگنا ایک فطری عمل ہے۔ کیونکہ جسم میں پانی کی کمی واقع ہوجاتی ہے۔ ایسے میں ہر عمر کے افراد گرمی اور دھوپ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں اور پیاس کی شدت کو کم کرنے کے لئے بازار میں فروخت ہونے والے مشروبات صحت کی بحالی کے بجائے نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ یہ مشروبات سکرین، خراب خوشبو، غیر معیاری فوڈ کلر سے تیار شدہ ہوتے ہیں اور گلے، معدہ اور پیٹ کے دیگر امراض میں مبتلا کرتے ہیں۔ لہٰذا گرمی کے موسم میں صحت و تسکین کے لئے دیسی مشروبات کی تیاری کا طریقہ اور ان کے طبی فوائد آپ کی خدمت میں پیش کئے جا رہے ہیں تاکہ شدید گرمی سے تھکے ماندے افراد بھی اپنی پیاس بجھانے اور تازہ دم رہنے کے لئے ان کا استعمال کریں۔

شربت بزوری معتدل

پیشاب کی کمی و جلن، ہاتھ پاؤں میں گرمی، آنکھوں کی پیلاہٹ اور جگر کی گرمی سے بچاتا ہے۔ سونف بیس گرام، گوکھرو خورد بیس گرام، جڑ سونف بیس گرام، تخم کاسنی بیس گرام، جڑ کاسنی بیس گرام، تخم خربوزہ بیس گرام، تخم خیارین بیس گرام، شکر دو کلو، ست لیموں چھ گرام معروف طریقے سے تیار کریں۔ ان میں تین بار پانی میں ملا کر استعمال کریں۔

شربت صندل

جگر و معدے کی حرارت کو دور کرتا ہے۔ دل کی دھڑکن، گھبراہٹ کے لئے مفید ہے اور گرمی کے درد سر کو دور کرتا ہے۔ صندل سفید سو گرام، الائچی سبز بیس گرام، شکر دو کلو، ست لیمو چھ گرام، روغن صندل چند قطرے، عرق گلاب ایک لیٹر، معروف طریقے سے شربت تیار کریں۔

ترکیب استعمال: شربت ٹھنڈے پانی میں ملا کر استعمال کریں۔

شربت آلو بخارا جدید

مفرح و مقوی جگر، یرقان اصفرا اور الٹی قے کے لئے مفید اور معدے کو طاقت دے کر بھوک لگاتا ہے۔ آلو بخارا ۲۵۰ گرام، املی ۱۲۵ گرام، زرشک پچاس گرام، صندل سفید پچاس گرام، ست لیموں چھ گرام، شکر دو کلو، پانی دو لیٹر، معروف طریقے سے شربت تیار کریں۔

شربت فالسہ

جگر کی بڑھتی ہوئی گرمی کو کم کرتا ہے، گرمی سے آنے والے دستوں کو روکتا اور پیاس کو بجھاتا ہے۔ فالسہ تازہ پانچ سو گرام، شکر ایک کلو، ست لیموں تین گرام۔ معروف طریقے سے شربت تیار کریں۔ ٹھنڈے پانی میں ملا کر استعمال کریں۔

شربت نیلوفر

بدن کی بڑھتی ہوئی گرمی کو تسکین دیتا، پیاس کی شدت اور صفرا کی تیزی کو کم کرتا ہے۔ گل نیلوفر ۱۲۵ گرام، شکر ایک کلو، ست لیموں تین گرام۔ معروف طریقے سے شربت تیار کریں۔

شربت کیری (کچے آم)

ہیضہ، بدہضمی، گیس ختم کرتا ہے۔ لو سے محفوظ رکھتا ہے۔ لو والے مریض کو بار بار ٹھنڈے پانی میں شربت ملا کر پلائیں۔ لو کے مضر اثرات کم ہونا شروع ہوجاتے ہیں۔ کچا آم آدھا کلو، شکر ایک کلو، اس کے گودے کو گرینڈر میں رگڑ لیں۔ آم کا گرینڈہ جوس شکر ملا کر قوام تیار کریں۔ ذائقے دار خوشنما شربت تیار۔ دن میں تین بار ٹھنڈے پانی کے ساتھ۔

سکنجبین سادہ

گرمی میں، خاص کر وبائی امراض عام ہونے کی صورت میں مفید اور بدہضمی، قے، متلی، پیٹ درد، باؤ گولہ، یرقان میں مؤثر شربت ہے۔ سرکہ دیسی آدھا لیٹر، شکر دو کلو، پانی ایک لیٹر، ست لیموں چھ گرام، معروف طریقے سے تیار کریں۔ صبح و رات کو استعمال کریں۔

سفوف بارد

موسم گرما کے تمام عوارض کے لئے اور جدید ایلوپیتھک دواؤں کے ری ایکشن کو ختم کرنے کے لئے۔ صندل سفید الائچی، خورد، طباشیر نقرہ، دھنیا، زہر مہرہ، خطائی ہم وزن۔ خوراک تین بار دن میں ایک، ایک گرام۔

آڑو

گرمی کا خوش ذائقہ پھل ہے۔ آڑو کا مزاج سرد تر ہے۔ اس پھل کی تین قسمیں گول، چپٹی، اور لمبوتری ہیں۔ آڑو گرمی کی شدت سے پیدا ہونے والی جلن اور تپش کو دور کرتا ہے۔ اس میں معمولی سی ترشی اور شیرینی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ ایک خوشنما، ذائقہ دار ہاضم پھل کی شکل میں غذائیت کے علاوہ وٹامنز سے بھرپور ہے۔ اس پھل میں بدن کو غذائیت فراہم کرنے کے ساتھ بیماریوں کے لئے شفائی اثرات موجود ہیں۔ شدید گرمی خصوصاً لو میں نوجوانوں کے لئے فرحت بخش ہے اور گرم مزاج والوں کے لئے تسکین افزاء ہے۔ خون پیدا کرتا، خون کی تیزابیت دور کرکے جلدی امراض سے محفوظ رکھتا ہے۔ خون کی نالیوں کی تنگی دور کرکے ہائی بلڈ پریشر کو اعتدال پر لاتا اور قبض کشا اثرات کی وجہ سے جگر، معدہ اور آنتوں کے زہریلے فضلات کو خارج کرتا ہے۔ اس میں جراثیم کش اثرات ہونے کی وجہ سے آنتوں کے چھوٹے چھوٹے کیڑے خارج ہوجاتے ہیں۔ غذائی نالی میں سوزش کو ختم کرتا ہے، معدے کی تیزابیت دور کرنے کے لئے اسے کھانے سے پہلے کھانا چاہئے۔

اس کو چھلکے سمیت کھانا زود ہضم اور بہترین قبض کشا ہے۔ یہ بواسیر، بلڈ پریشر، کمزوری کے لئے مؤثر دوا اور عام غذا بھی ہے۔ آڑو کے پھل کے ساتھ ساتھ اس کی گٹھلی کے مغز کا روغن بواسیر، دائمی قبض اور پیٹ کے کیڑے دور کرنے کے لئے سوتے وقت استعمال کیا جائے۔ ان امراض میں یہ بہت مؤثر ہے۔

آڑو کے تازہ پتے اور چند دانے کالی مرچ کے ساتھ رگڑ کر اس کا استعمال بواسیر اور پیٹ کے کیڑوں میں فائدہ مند ہوتا ہے۔ درد کان، بہرا پن کے لئے اس کے بیجوں کا روغن بہت مفید ہے۔ ●●

دیوارِ کیمونارڈز۔ پیرس

عبد الحفیظ بٹ

فرانس کے دارالحکومت پیرس میں پیری لیچاسی نامی مشہور قبرستان ہے۔ مئی ۱۸۰۴ء میں جے سوئس نامی شخص نے اسے تعمیر کرایا تھا۔

جے سوئس فرانس کی شاہی فوج میں جونیئر آفیسر تھا۔ اس کے والد لیچاسی فرانس کے بادشاہ لوئس کے دربار میں بطور پادری خدمت انجام دے رہے تھے۔ انیسویں صدی میں یہ قبرستان پیرس کے اشرافیہ طبقے کے لئے مختص تھا۔ اس قبرستان میں فرانس کی معروف شخصیات مدفون ہیں۔ عام قبرستانوں کی طرح اس قبرستان کی بھی چہار دیواری ہے۔

۲۸رمئی ۱۸۷۱ء کو فرانس کی شاہی فوج کے ایک دستے نے کمیونسٹ نظریہ رکھنے والے ۱۴۷ حکومت مخالف جنگجوؤں کو قبرستان کی دیوار کے ساتھ کھڑا کرکے گولیاں مار کر ہلاک کردیا تھا۔ ان افراد کی ہلاکتوں کی خبر کو کمیونسٹوں اور سوشلسٹوں نے دنیا بھر بالخصوص یورپ میں خوب اچھالا اور اپنے حق میں عوام الناس کی ہمدردیاں و حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

اس غیر معمولی واقعے نے پیرس کے اس گمنام قبرستان کو بین الاقوامی شہرت دے دی۔ فرانس بھر میں یہ قبرستان خصوصاً اس کی وہ دیوار جہاں کمیونسٹوں کو گولیاں ماری گئیں۔ کمیونسٹوں، سوشلسٹوں اور فرانس کے انارکی پسندوں کے لئے فرانسیسی شہنشاہیت کے خلاف

باقی صفحہ ۵ پر

POSTED ON 14 May 2009 AT DELHI R.M.S. LICENCE NO. U (D.N.)- 41 / 2009 - 11 TO POST WITHOUT PRE PAYMENT PAGES-8. ۱۶ رمئی ۲۰۰۹ء

TELEGRAM : ADDAWAH NEW DELHI-110025
PHONES: Editor: 26958816, Manager: 26949539, Fax:26958816
E-mail:- dawattrust@yahoo.co.in , dawatnews@indiatimes.com

DAWAT SEHROZA
NEW DELHI-110025

R.N.I. No.522/57
POSTAL REGISTRATION No.
DL (S) - 05 / 3128 / 2009 - 2011 & DL (S) - 05 / 3266 / 2006-08 (Foreign Post

احوال وکوائف

شفیق الرحمٰن

حق وانصاف کی حمایت بھی عقیدے کا تقاضا ہے

مسیحی دنیا کے سب سے بڑے لیڈر اور کیتھولک عیسائیوں کے مذہبی پیشوا پوپ بینڈکٹ شانزدہم نے پچھلے دنوں سرزمین مقدس (ارض فلسطین) کا آٹھ روزہ دورہ کیا۔ ان کا پہلا پڑاؤ اردن کا دارالسلطنت امان تھا، جہاں سے وہ بیت المقدس گئے جس پر ۱۹۶۷ء سے اسرائیل قابض ہے۔ یہ سرزمین مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں تینوں کے لئے مقدس سرزمین ہے اس لئے کہ اس سے دین براہیمی کی بہت سی یادیں وابستہ ہیں۔ ملت ابراہیمی سے ان تینوں کا گہرا رشتہ ہے۔ اس لئے کہ اگر یہودیوں اور عیسائیوں کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے تو ختم المرسلین آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جن پر دین ابراہیمی کی تکمیل ہوئی، سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ کی اولاد میں سے ہیں۔ یوں ان تینوں میں قدر مشترک دینی براہیمی ہے۔ مشترکہ قدروں کو دوریاں مٹانے اور قربتیں پیدا کرنے کا باعث ہونا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں کلمۂ سوا کی بنیاد پر جوڑنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ یہ تمام جلیل القدر انبیاء، بنی نوع انسان کے لئے امن و سلامتی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ انھوں نے بنی آدم کو باہم جوڑنے کی سعی بلیغ کی تھی۔ انہیں توڑا نہیں تھا، دلوں کی کدورتیں صاف کی تھیں۔ تصادم اور ٹکراؤ کا راستہ نہیں دکھایا تھا۔ جو سماج بنایا تھا وہ انسانی سماج تھا جو تہذیب برپا کی تھی وہ مفاہمت ومصالحت کے اصول پر کھڑی ہوئی تھی۔ دنیا کو آج اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔

دنیا کے چپے چپے میں پھیلے ہوئے ایک ارب سے بھی زیادہ کیتھولک عیسائیوں کے مذہبی پیشوا اور موجودہ اسقف اعظم نے اردن کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی یہ اعلان کیا کہ وہ امن کے پیغامبر بن کر آئے ہیں۔ لہٰذا انھوں نے اہل اردن کو السلام علیکم کے کلمۂ خیر سے مخاطب کیا۔ اس موقع پر انھوں نے اپنی متعدد تقریروں میں بعض بڑی اہم باتیں کہی ہیں جو قابل توجہ ہیں اور جن میں زور پیدا کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

پوپ نے کہا کہ مذہب الفت ومحبت کی تعلیم دیتا ہے، وہ دوریوں کو مٹاتا ہے، بڑھاتا نہیں ہے۔ امان کی مسجد الحسین کے خطاب میں انھوں نے یہ یاد دلایا کہ بنی نوع آدم ایک خدا کی مخلوق ہے، گویا دوسرے لفظوں میں انھوں نے یہ کہا کہ وہ ایک خاندان کے مانند ہے یعنی انسانی کنبہ ہے۔ ان کے درمیان جو رشتہ ہے وہ اخوت کا ہے بھائی چارے کا ہے۔ انسان اور انسان کے درمیان دوری درست نہیں ہے۔ نہ نفرت اور حسد ٹھیک ہے۔ پتے کی بات انھوں نے یہ بھی کہی کہ جب مذہبی تعلیمات کو حقیر مقاصد کے لئے استعمال کیا جانے لگتا ہے تو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ جب انہیں توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے تو اختلافات پیدا ہوتے ہیں اور انتشار جنم لیتا ہے۔ جب انہیں ان کے تناظر سے ہٹا کر سامنے لایا جاتا ہے تو الجھنیں بڑھتی ہیں اور غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں۔ برا ہو تعصب وتنگ نظری کا تاریخ کے ہر دور میں یہی کچھ ہوتا رہا ہے اور اس کا سب سے زیادہ شکار اسلام اور اسلامی تعلیمات ہوئی ہیں۔ ان کی من مانی تعبیریں پیش کی جاتی رہی ہیں اور محض بغض وعناد کی بنا پر ایسا کیا گیا ہے۔ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ اسلام جو دعویٰ کرتا ہے اس کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے اور اس کی جو تعلیمات ہیں ان کو ہر طرح کے ذہنی تحفظات سے پاک ہو کر دیکھا اور پرکھا جائے۔

پوپ بینڈکٹ شانزدہم نے ایک پتے کی بات یہ بھی کہی ہے کہ عقیدہ مخلصانہ پیروی کا تقاضا کرتا ہے۔ عقیدہ زندگیوں کو اسی وقت بدل سکتا ہے، جب نہ صرف یہ کہ دل کی گہرائیوں سے اسے تسلیم کیا جائے بلکہ اپنے عمل سے اس کا ثبوت بھی پیش کیا جائے کہ زبان سے جس کا اقرار کیا جا رہا ہے جان ودل بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ انسان کا پورا سراپا تسلیم ورضا کا پیکر بن جائے۔ انسان کی سیرت وکردار میں اس سے نکھار بھی پیدا ہوتا ہے اور مضبوطی بھی آتی ہے۔ عقیدہ اگر دل ودماغ میں پیوست ہو جائے تو پہاڑ جیسے کام بھی معمولی نظر آنے لگتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ جو چیز روایتی اور خاندانی وراثت کے طور پر ملتی ہے وہ بسا اوقات کھوکھلی ثابت ہوتی ہے۔ گو یہ باتیں انھوں نے اپنے ہم عقیدہ لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہی ہیں مگر صداقت پر مبنی ہیں۔ اگر عقیدہ دل کی گہرائیوں میں اترا ہوا نہ ہو تو پیروی بھی رسمی اور بے روح ہوگی، رسمی اور بے روح پیروی سے زندگیوں کو بدل دینے والے نتائج کی امید رکھنا ایسا ہی ہے جیسے کسی پتھر پر پانی کی بوندوں کے پڑنے سے روئیدگی کی توقع کی جائے۔ اسلام، عیسائیت اور یہودیت کے پیروکار اس وقت پوری دنیا میں باہم متصادم ہیں اور مشرق وسطیٰ میں تو برسرپیکار ہیں۔ جس کی وجہ سے انسانی خون پانی کی مانند بہہ رہا ہے۔ بنی نوع انسان کی دنیوی واخروی فلاح کے حامل عقیدے کی مخلصانہ پیروی اور امن وسلامتی کی تعلیم کا ایک تقاضا حق و انصاف کیلئے اٹھ کھڑا ہونا بھی ہے۔ ظالم کا ہاتھ روکنا اور مظلوم کی مدد کرنا اس کا ایک اہم تقاضا ہے۔ پوپ جیسے عالمی لیڈر پر بھلا یہ بات کیسے واضح نہیں ہوگی۔ ●●

انڈین مجاہدین کے مبینہ رکن کی رہائی کا حکم

ممبئی۔ ممبئی کی خصوصی عدالت نے آج یہاں انڈین مجاہدین نامی مبینہ تنظیم سے وابستہ ممبئی ٹرین دھماکوں کے ملزم صادق شیخ کو ناکافی ثبوت پر رہا کرنے کے احکام جاری کئے۔ تحقیقاتی ایجنسی انسداد دہشت گرد دستہ (اے ٹی ایس) نے عدالت میں ایک عرضداشت داخل کر کے اسے باعزت بری کئے جانے کا مطالبہ کیا تھا۔ خصوصی جج وائی ڈی شنوئے کے روبرو اے ٹی ایس نے اپنی عرضداشت میں کہا کہ تحقیقاتی ایجنسی نے ملزم کو ممبئی کے مضافات ٹرامبے سے گزشتہ سال ۲۸ رفروری کو گرفتار کیا تھا۔ اس پر الزام تھا کہ اس نے ممبئی لوکل ٹرین دھماکوں کی سازش رچی تھی اور دھماکوں سے قبل اس نے اخبارات اور ٹی وی چینلوں کو دھماکے کی ذمہ داری قبول کرنے والے ای میل پیغامات روانہ کئے تھے۔ اے ٹی ایس نے اپنی عرضداشت میں مزید کہا کہ گرفتاری کے بعد تحقیقاتی ایجنسی نے ملزم سے گہری تفتیش کی تھی اس کا معائناتی تجزیہ جس میں برین میپنگ، پالی گرافک ٹیسٹ اور دیگر بھی شامل ہیں، کیا گیا تھا لیکن ان تجزیوں کے علاوہ بھی تفتیش میں کوئی ایسی بات واضح نہیں ہوئی کہ ملزم اس معاملے میں ملوث تھا۔ جج شنوئے نے اے ٹی ایس کی عرضداشت کو منظور کرتے ہوئے جیل حکام کو اسے رہا کئے جانے کا حکم جاری کرتے ہوئے اپنے حکم میں مزید کہا کہ ثبوتوں اور شواہد کی بنیاد پر اے ٹی ایس کی عرضداشت کو منظوری دی جاتی ہے۔

۳۲ سالہ صادق شیخ کے تعلق سے تحقیقاتی ایجنسی نے اس سے قبل یہ دعویٰ کیا تھا کہ صادق نے ان ٹرینوں میں دھماکہ خیز اشیا نصب کی تھی جس میں بم دھماکے ہوئے تھے۔ حالانکہ صادق شیخ نے یہ بیان دیا تھا کہ جس وقت دھماکے ہوئے تھے وہ اترپردیش کے اعظم گڑھ شہر کے ایک گاؤں میں مقیم تھا جس کی اس کے اہل خانہ نے بھی تصدیق کی تھی۔

دعوت

پرنٹر، پبلشر خلیل احمد نے دعوت ٹرسٹ (رجسٹرڈ) کی جانب سے ایرانین آرٹ پرنٹرز قاسم جان اسٹریٹ بلیماران دہلی ۱۱۰۰۰۶ میں برائے دعوت آفسیٹ پرنٹرز چھپوا کر دفتر ''دعوت'' ڈی ۳۱۴، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، اوکھلا، نئی دہلی ۲۵ سے شائع کیا۔

ایڈیٹر: پرواز رحمانی

اسسٹنٹ ایڈیٹر: شفیق الرحمٰن

سب ایڈیٹرس: محمد صبغۃ اللہ ندوی، عقیدت اللہ قاسمی
عمیر کوثی ندوی، اشرف علی بستوی

خصوصی اپیل

برادرانِ ملت! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

جامعۃ الفلاح ملک وملت کی عظیم خدمات انجام دینے میں مصروف ہے قرآن وسنت کی محققانہ تعلیم، دعوتی واصلاحی مزاج، وسعت فکر ونظر اور شرعی وعصری علوم کا بہترین امتزاج اس ادارے کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ طلبہ کے علاوہ طالبات کی اعلیٰ تعلیم کا نظم بھی ادارے نے بخوبی کیا ہے جہاں مختلف ریاستوں کی طالبات درجات فضیلت تک تعلیم حاصل کر رہی ہیں۔ جامعہ کا سالانہ بجٹ تقریباً ڈیڑھ کروڑ کا ہے جو صرف اہل خیر حضرات کے گرانقدر تعاون سے پورا ہوتا ہے۔

اس وقت جامعہ مالی مشکلات کے دور سے گزر رہا ہے تعطیل گرما کے موقع پر اساتذہ کرام کے وفود مختلف شہروں میں روانہ کئے جا رہے ہیں تاکہ محسنین جامعہ سے خصوصی ملاقاتیں کر کے ان کا تعاون حاصل کر سکیں۔

امید ہے اہل خیر حضرات کے مخلصانہ وفراخدلانہ تعاون کے ذریعہ صورتحال پر قابو پالیا جائے گا اور جامعہ اپنے اعلیٰ مقاصد کے حصول کی شاہراہ پر اطمینان وسکون کے ساتھ گامزن رہے گا۔

واللہ لا یضیع اجر المحسنین "اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔ والسلام

محمد طاہر مدنی، ناظم جامعۃ الفلاح

Bank Account
"JAMIATUL FALAH" A/c No. 20001, U.B.I.
Bilariaganj, Azamgarh (U.P.) 276121
Ph.: 05466 - 225140, Mob.: 09450737539

ایم اے ایف اکیڈمی

اے ۴۳ سیکٹر ۶۲، نوئیڈا

فاؤنڈر: محمد ابوالفضل فاروقی

نرسری تا XI داخلے جاری

★ سی بی ایس ای سے منظور شدہ ★ سی بی ایس ای کورس
★ اعلیٰ تربیت یافتہ اسٹاف ★ بچے کی پروگریس پر ہر وقت نظر
★ ہر طالب علم پر خصوصی توجہ ★ سیکشن میں صرف ۲۵ طلباء
★ ابتداء سے کمپیوٹر کی تعلیم ★ ہر وقت بجلی کے لئے جنریٹر موجود
★ ضروری سامان سے آراستہ سائنس لیب
★ کمرہ روشن، ہوادار، تپش سے محفوظ ★ ۲۴ ہزار مربع گز کا وسیع رقبہ
★ صد فیصد نتائج ★ سیٹیں محدود ★ داخلہ فارم ویب سائٹ پر دستیاب
★ داخلے کیلئے بچے کا ہونہار ہونا کافی ★ ٹرانسپورٹ کے لئے محفوظ اور آرام دہ بسیں
★ ہر قسم کی آلودگی سے پاک اور جدید ترین سہولتوں سے آراستہ نہایت خوشنما عمارت
صد فیصد رزلٹ کے ساتھ سبھی طالب علم فرسٹ ڈویژن ڈسٹنکشن (Distinction) کے ساتھ پاس ہوئے ہیں۔

اعلیٰ ترین سہولتوں کے باوجود فیس کفایتی

Phone: (0120) 2400522, 6545202
Fax:(0120)2400510
e-mail: info@mafacademy.com
Website: www.mafacademy.com

بقیہ: امیدوار ضروری نہیں......

ذریعے صرف اقتدار حاصل کرنا مقصد تھا۔ بدنصیبی کی بات ہے کہ اس بار انتخابی مہم میں ایشوز زیر بحث نہیں آئے بلکہ ذاتیات پر تنقید کرتے لیڈران نظر آئے جو نہایت افسوسناک امر ہے۔ سیاست اصولی اور مثبت پروگرام کی بنیاد پر کی جانی چاہئے۔ جہاں تک الیکشن کمیشن کی کارکردگی کی بات ہے وہ اپنے دائرۂ اختیار میں مکمل کام کرتا ہے اسے مزید اختیارات دیئے جائیں تو انتخابات میں اور بھی شفافیت آئے گی کیونکہ یہ بات ہر خاص وعام پر عیاں ہے کہ الیکشن کے دوران کمیشن اپنے وجود کو کس طرح منواتا ہے لیکن یہ ایک قلیل مدت تک ہی ہوتا ہے۔ انتخابی عمل کو مزید صاف ستھرا اور بدعنوانی سے پاک بنانے کے لئے بہتر ہے کہ الیکشن میں امیدوار کھڑے نہ کئے جائیں بلکہ پارٹیاں اپنے پالیسی پروگرام کو لے کر میدان میں آئیں اور اسی بنیاد پر ووٹ دیئے جائیں۔ جس پارٹی کو جتنے فیصد ووٹ حاصل ہوا اسی تناسب سے پارٹیاں اپنے نمائندے نامزد کر کے ایوانوں میں بھیج دیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ ذات پات اور مذہب کی بنیاد پر الیکشن نہیں ہوگا۔ پارٹیوں کی کارکردگی کا احتساب ہوگا۔

(گفتگو پر مبنی)

جاپانی کمپیوٹر کے ذریعہ آنکھوں کی جانچ
پاور دھوپ کے چشمے ہی چشمے

چشمہ ساگر

معتبر گنج، شہر اعظم گڑھ (اترپردیش)

پوتر قرآن سگم ہندی انواد، نئے انداز میں

(۱) سائز 20X30/8 صفحات 864 مجلد عمدہ کاغذ، معیاری طباعت

''پوتر قرآن'' (سگم ہندی انواد، مع عربی متن) ترجمہ مولانا محمد فاروق خاں و ڈاکٹر محمد احمد
اس ایڈیشن کو نظرِ ثانی واصلاحات کے بعد نئی کمپوزنگ، صاف اور واضح عربی متن اور اسی صفحے پر ہندی ترجمہ آیات نمبر کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

(۲) سائز 23X36/16 صفحات 752 مجلد عمدہ کاغذ، معیاری طباعت

''ہولی قرآن'' (انگریزی ترجمہ مع عربی متن) Holy Quran (with Arabic Text)

مترجم: عبداللہ یوسف علی Abdullah Yusuf Ali

انگریزی ترجمہ قرآن مع عربی متن سورتوں کے تعارف کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ خوبصورت جلد۔

اسلامی لٹریچر، دینی، اصلاحی، دعوتی وتاریخی کتب کے علاوہ قرآن مجید کے تراجم کے لیے رابطہ قائم کریں۔ ہماری فہرست کتب مفت طلب کریں۔

مدھر سندیش سنگم

E-20، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025
فون نمبر: 011-26953327, 09212567...
ای میل: madhursandeshsangam@yahoo.co.in

ضرورت معلّمہ

الکوثر گرلز کالج بھٹکل کے لئے ایک معلّمہ کی ضرورت ہے جو درس وتدریس کے میدان میں خاصہ تجربہ رکھتی ہوں، عربی اور دینیات پڑھا سکتی ہوں۔ مشاہرہ معیاری اور رہائش کا معقول نظم ہے۔
تحریک سے وابستگی قابل ترجیح۔ خواہشمند امیدوار جلد رابطہ کریں:

ناظم: الکوثر گرلز کالج
دعوت سنٹر، سلطان اسٹریٹ، بھٹکل
فون 08385-224316 موبائل: 09 886653606

مئو کا بنا تیز اثر دار افضلس نورانی تیل

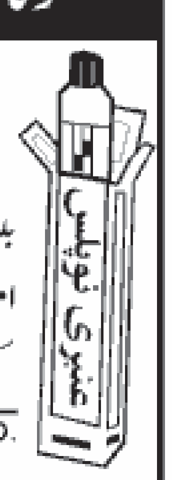

لیبل وکیپ پر AFZALS اور MAU CITY دیکھ کر خریدیں

بدن کے ہر قسم کے درد، زخم، چوٹ ورم، سردی کے امراض نیز بچوں کی بہت سی بیماریوں مثلاً حلقہ، خناق، کھانسی، نزلہ، وزکام وغیرہ میں مجرب ومفید ہے

INDIAN CHEMICAL CO. NEW CHEMICAL CO.
Mau Nath Bhanjan-Mau-275101 (U.P.)

دماغین برین ٹانک

(۱) دماغین ہر عمر کے ذہنی وجسمانی طور سے مصروف لوگوں کے لئے مددگار ہے
(۲) دماغین میں دوائی وغذائی اجزاء سے بھرپور مشہور پھل آملہ جزء اعظم کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ جس میں وٹامن ''سی'' سب سے زیادہ اور ساتھ میں کیلشیم اور فولاد بھی پایا جاتا ہے۔
(۳) دماغین یکسوئی کو بڑھاتا ہے۔ اور تھکان کم کرتا ہے۔
(۴) دماغین منہ کی بدبو کو دور کرتا ہے اور ہضم کی اصلاح کرتا ہے۔
(۵) دماغین خوش ذائقہ تازگی وتوانائی سے بھرپور ایک یونانی دوا ہے۔

دواخانہ طبیہ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

جامعۃ الصفّۃ ورنگل

دعوت دین واقامت دین کے لئے ایک تعلیمی تحریک

الحمدللہ! جامعۃ الصفہ ورنگل اپنا پانچواں تعلیمی سال مکمل کر کے چھٹے سال کا سفر طے کر رہا ہے اور اپنے طے کردہ مقاصد کے تحت پیش قدمی کر رہا ہے۔ پانچ سال کی مختصر مدت میں بفضلہ تعالیٰ گزشتہ دو سالوں میں ۱۰ طلبہ نے حفظ کی تکمیل کی ہے اور امسال اللہ کے فضل وکرم سے مزید ۱۴ طلباء حفظ قرآن کی تکمیل کر چکے ہیں۔

جامعہ کا شعبہ عالمیت

جامعہ کے شعبہ عالمیت میں عربی اول تا چہارم جماعتیں قائم ہیں جس میں تشنگانِ علم وخادمانِ دین اپنے علم کی پیاس بجھا رہے ہیں تاکہ وہ معاشرہ میں منصبی کردار ادا کر سکیں۔ جامعہ میں تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ طلباء کی کردار سازی اور اسلامی فکر کی پختگی پر خاص توجہ کی جاتی ہے۔ جامعہ میں اس وقت ۱۴۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور تقریباً سارے ہی طلبہ دارالاقامہ میں مقیم ہیں ان کی تعلیم، رہائش وطعام کے اخراجات اہل خیر حضرات کے تعاون وسرپرستی سے مکمل کئے جاتے ہیں (اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) الحمدللہ! طلباء کو تلگو وانگریزی زبان بھی پڑھائی جاتی ہے تاکہ وہ برادران وطن میں دعوت دین کا کام انجام دیا جا سکے۔

شعبہ تدریب ائمہ

جامعۃ الصفہ ورنگل میں اس سال تدریب ائمہ کا دو سالہ کورس شروع کیا جا رہا ہے جس میں ایسے طلباء کو داخلہ دیا جائے گا جو کم از کم آٹھویں جماعت کامیاب ہوں نیز جو اُردو یا تلگو لکھنا پڑھنا جانتے ہوں اور بالخصوص دیہات کے رہنے والے ہوں۔ ان طلباء کو دوران تعلیم ماہانہ فی کس ایک ہزار روپے تعلیمی وظیفہ دیا جائے گا تاکہ طلباء اور اولیاء طلباء کو یکسوئی ہو اور طلباء دلجمعی کے ساتھ تعلیم حاصل کر سکیں اور ان طلباء کے قیام وطعام کی ذمہ داری جامعہ پر ہوگی۔ ہر طالب علم پر ماہانہ ڈھائی ہزار روپیوں کا خرچ ہوگا (Rs.2,500/-) ادارہ اس سال ۲۰ طلباء کو تدریب ائمہ کے لئے داخلہ کا منصوبہ بنایا ہے۔ تدریب ائمہ کے دو سالہ کورس کے دوران ان منتخب طلباء کو امامت اور خطابت کے اصول قرآن، حدیث وفقہ کے علم اور حالات حاضرہ کے تقاضوں سے واقف کروایا جائے گا۔ اس دو سالہ کورس کی تکمیل کے بعد دیہاتوں میں ان طلباء کی خدمات سے استفادہ کیا جائے گا۔

محترم بھائی! آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ قادیانیت اور عیسائیت کے مبلغین مختلف طریقوں سے دیہات کے بھولے بھالے مسلمان بھائیوں کو مالی رغبت دلا کر مرتد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں اور گاہے گاہے انہیں کامیابی بھی حاصل ہو رہی ہے جب کہ شہروں میں رہنے والے مسلمان، صاحب ثروت اور اہل علم حضرات اس جانب خاطر خواہ توجہ نہیں دے پا رہے ہیں۔ واضح ہو کہ یہ دونوں فتنے امت مسلمہ کے لئے ایک بڑا مسئلہ بنے ہوئے ہیں مسلمانوں کو جہاں مختلف پہلوؤں سے کام انجام دینا ہے وہیں مساجد کی تعمیر کے ساتھ ساتھ بالخصوص ائمہ مساجد کو بھی تیار کرنا ہے جو دینی تڑپ رکھتے ہوں اور شہروں سے دور دیہاتی پس منظر میں کام کے لئے آمادہ ہوں۔ جامعۃ الصفہ نے ایک طویل مدتی منصوبہ کے تحت اس اہم کام کو انجام دینے کا بیڑہ اٹھایا ہے جس کے لئے خطیر رقم کی ضرورت ہے اس خصوص میں اہل خیر اور دین کا درد رکھنے والے احباب آگے آئیں اور ان طلباء کی کفالت کی ذمہ داری سنبھالیں۔ جامعۃ الصفہ اس اہم پراجکٹ کو اللہ کے فضل وکرم اور خیر خواہانِ دین وملت کے تعاون سے انجام دے گا۔ انشاءاللہ۔

تعاون کی شکلیں ☆ طلباء کی کفالت: تدریب ائمہ کے لئے فی طالب علم سالانہ -/30,000 روپے شعبہ حفظ کے لئے سالانہ -/10,000 روپے فی طالب علم ☆ شعبہ عالمیت کے لئے سالانہ -/12,000 فی طالب علم (مدت پانچ سال) ☆ اساتذہ کی تنخواہ کی شکل میں ماہانہ =/48,000 روپے ☆ تعمیری کام اور قرضوں کی ادائیگی کیلئے۔ نوٹ: جامعہ اپنے خیر خواہوں کو ابھی تک بارہ لاکھ روپے قرض واجب الادا ہے اس خصوص میں تعاون کی درخواست ہے۔

ناظم جامعہ: محمد خواجہ عارف الدین

JAMIA-TUS-SUFFAH
Deshaipet Road, Warangal, A.P. India

سرپرست جامعہ: حضرت مولانا سید جلال الدین عمری مدظلہٗ، امیر جماعت اسلامی ہند

Phone: +91-870-2424576, Call:+91-9849004547 A/c No. 444351498 Indian Bank Mandi Bazar, Warangal A.P. INDIA

دو کتابیں

● وہ ہم میں سے نہیں تالیف: مولانا سید عبدالقادر ٹونکیؒ
ترجمہ وحواشی: محمد فاروق خاں ایم۔اے

رسول کریم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی ان احادیث کا آسان، عام فہم اور سلیس اردو ترجمہ، جن میں لَيْسَ مِنَّا (وہ ہم میں سے نہیں) کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ ان احادیث کے تحت بتایا گیا ہے کہ وہ کون کون سے لوگ ہیں، جن سے نبی ﷺ نے بیزاری وبے تعلقی کا اظہار فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ یہ کتاب پہلے ''احادیث لَيْسَ مِنَّا'' کے نام سے شائع ہو چکی ہے

سائز: ۲۳x۳۶/۱۶ ☆ صفحات: ۷۲ ☆ قیمت:- Rs.30/-

● وقت کا صحیح استعمال تالیف: الاستاذ مصطفیٰ محمد طحان
ترجمہ: عبدالحمید اطہر ندوی

الاستاذ مصطفیٰ محمد طحان کی عربی کتاب ''ادارۃ الوقت'' کا سہل اور آسان اردو ترجمہ۔ ایک مشفق اور دردمند مربی کی حیثیت سے وقت کی قدر وقیمت اور موثر منصوبہ بندی پر ایک قیمتی گفتگو۔

سائز: ۲۳x۳۶/۱۶ ☆ صفحات: ۸۸ ☆ قیمت:- Rs.34/-

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

P.O. Box No. 9752, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Ph: 26954341, 26971652 Fax : 26950975, 26947858
E-mail: mmipub@nda.vsnl.net.in Website: www.